سید عبدالمنعم نظیر کی کتاب

سلفیت اور تقلید ائمہ

کا جواب

ائمہ کرام اور سلفیت

مرتب

ابوالاخلاق اثری

ناشر

مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، سونس

قال تعالیٰ: أُدْعُ إِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵)

سید عبدالمنعم نظیر کی کتاب "سلفیت اور تقلید ائمہ"

کا جواب

ائمہ کرام اور سلفیت

مرتب

ابوالاخلاق اثری

ہم سلف صالحین کے پیرو — واقف، اقدارِ سلفیت سے ہیں
وہ سلف کا مقام کیا جانیں — جو جُڑے ایک شخصیت سے ہیں

ناشر

مرکز الدعوة الاسلامیة والخیریة، سونس

سلسلۂ اشاعت نمبر ۲۰

کتاب کا نام	:	سلفیت اور تقلید ائمہ کا جواب ائمہ کرام اور سلفیت
مصنف کا نام	:	ابوالاخلاق الأثری
سن اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۳ء
صفحات	:	۶۴
تعداد	:	
کمپوزنگ	:	روز آرٹ 8080429084
طباعت	:	آفرین آرٹ
ناشر	:	مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، سونس

ملنے کے پتے

۱- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ بیت السلام کمپلیکس مہاڈ ناکہ کھیڑ ضلع رتنا گیری-۴۱۵۷۰۹
۲- شعبہ دعوت و تبلیغ، جماعۃ المسلمین مہسلہ ضلع رائے گڑھ۔
۳- روشنی لائبریری نزد ویلکم ہوٹل مقابل ڈاکٹر جگتاب مہاڈ ضلع رائے گڑھ۔
۴- جمعیت اہل حدیث روہا، ضلع رائے گڑھ۔
۵- مسجد دار السلام راجہ پور کر کالونی ادھم نگر ضلع رتنا گیری۔

اہل کوکن میں بیداری کی لہر!
ایک خوش آئند خبر!

ماہ جولائی کی کوئی تاریخ تھی، میں بذریعہ ٹرین ممبئی سے اپنے گاؤں جارہا تھا راستے میں روہا سے "عقیل لانباتے" کا فون آیا اور جب ٹرین روہا پہنچی تو موصوف اسٹیشن پر موجود تھے اور ان کا مقصد مجھے صرف ایک کتاب فراہم کرنی تھی وہ تھی سلفیت۔

کتاب دیتے ہوئے انہوں نے اپنے دلی کرب کا اظہار کیا اور تقاضا کیا کہ اس کتاب کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے میں نے ٹرین ہی میں پوری کتاب پڑھ لی اندازہ ہوا کہ امت کی خیر خواہی کے پردے میں عبدالمنعم صاحب نے سلفیت پر شب خون مارا ہے، اسی لئے کتاب کا اصلی نام ٹائیٹل پر ظاہر نہیں کیا ہے۔ بیت السلام کمپلیکس کھیڑ پہنچا تو اسے مولانا ابوالاخلاق الاثری کے حوالے کردیا۔

عیدالفطر میں پھر گھر جانے کا اتفاق ہوا تو ۷ ر اگست ۲۰۱۳ء واپسی کے وقت میں نے مولانا سے پہلی فرصت میں سلفیت کا جائزہ لینے کا تقاضا کیا اور پھر ۲۶ ر اگست کو یاددہانی کرائی تو مولانا نے سلفیت اور تقلید ائمہ کا مختصر جائزہ لیا اور ائمہ کرام اور سلفیت کے نام انہوں نے جائزہ وجواب ۷ ر ستمبر ۲۰۱۳ء کو میرے حوالے کردیا۔ جسے عوام میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس ہورہی ہے کوکن میں عبدالمنعم نظیر کا نام اہل حدیث دشمنی میں سرفہرست ہے حالانکہ ان کی تمام کتابیں یکجا کرکے آپ پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے پاس لکھنے کے لئے کچھ نہیں ہے مگر چار چھ باتیں وہ ہر کتاب میں گھما پھرا کر لکھتے رہتے ہیں جس کا معقول اور مدلل جواب انہیں دیا جاچکا ہے۔ مگر مقلد کو دلائل ونصوص سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اسے اپنے امام کے بالمقابل کسی کی بھی بات پسند نہیں آتی خواہ وہ حدیث رسول ہی کیوں نہ ہو مگر عوام میں اب بیداری آئی ہے اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اصل تو کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث ہے اور فقہاء وامام کے اقوال کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے پانی کی عدم دستیابی پر مٹی سے تیمم کرلینے کا حکم ہے۔

اور جیسے ہی پانی مل گیا تیمّم کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔

مقلد علماء عوام کو اندھیرے اور جہالت ہی میں دیکھنا پسند کرتے ہیں اور انہیں تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ علم و تحقیق کی روشنی میں ان کے جبہ و دستار کی حقیقت عوام پر واضح ہو جاتی ہے۔عبدالمنعم جیسے لوگ اپنی اس طرح کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔مگر جھوٹ، فریب، اتہام، دھوکہ اور دھاندلی سے زیادہ دنوں تک کام نہیں چلایا جا سکتا۔آپ مرکز الدعوۃ کی مطبوعہ کتابیں پڑھ کر دیکھیں:

۱-مسلک سلف کی وضاحت میں چند باتیں	بجواب اہل حدیث بھائیوں سے کچھ باتیں۔
۲-شافعی علماء کرام سے چند باتیں جدید ایڈیشن	بجواب آپس میں نہ لڑو۔
۳-راہ اتباع	بجواب تقلید شرک نہیں واجب ہے۔

ان کتابوں میں عبدالمنعم کے مکائد و وساوس اور ہفوات کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور بہت سے مقلدین نے دونوں کتابوں کو پڑھ کر جادۂ حق کو پالیا ہے۔آپ بھی پڑھیں اور دیکھیں کہ حق کہاں ہے؟

کوکن میں اہل حدیثیت یا سلفیت پر کوئی بھی حملہ ہو، اعتراض و سوال ہو۔مرکز الدعوۃ پہلی فرصت میں ان شاء اللہ اس کا جواب اہل کوکن کے لئے ضرور فراہم کرے گا۔الحمد للہ کوکن میں سلفیت کی لہر دوڑ رہی ہے اہل روہا و اہل مہسلہ وغیرہ کے تعاون سے مرکز نے اشاعت کتب کا اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے اللہ تمام معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

والسلام

مقصود علاؤ الدین سین

ناظم مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، سونس

۱۰ر ستمبر ۲۰۱۳ء

عنوانات

خیر خواہِ امت کی پہلی خیر خواہی

''سلفیت'' کے نام سے ایک کتاب تقسیم ہوئی ہے، جو بتیس (۳۲) صفحات پر مشتمل ہے، مرتب مولانا سید عبدالمنعم نظیر باہتمام مولانا داؤد بن حسین ہرنیکر ناشر انجمن فلاح شوافع (یو.کے.لندن) کتاب کا ٹائٹل دیکھنے کے بعد یہ خیال گزرتا ہے کہ تقلید شخصی کے منکرین اور عدم قائلین کے تعارف پر کتاب مشتمل ہوگی مگر دوسرے ہی صفحہ کو دیکھنے کے بعد ساری خوش خیالی زائل ہو جاتی ہے کیونکہ ہاتھی کے دانت کی طرح، دکھانے والے دانت کچھ اور ہیں اور چبانے والے دانت کچھ اور۔ اندر کتاب کا اصلی نام ہے''سلفیت اور تقلید ائمہ''۔

جمع وترتیب: خیر خواہ امت مسلمہ سید عبدالمنعم نظیر۔ باہتمام داؤد بن حسین ہرنیکر
ناشر: انجمن فلاح، شوافع، یو.کے.

خیر خواہ امت مسلمہ مولانا سید عبدالمنعم نظیر صاحب کی یہ پہلی خیر خواہی ہے کہ ٹائیٹل پر کتاب کا نام کچھ ہے اور اندر کچھ اور۔

کتاب چونکہ مفت تقسیم ہوئی ہے جو بجائے خود خیر خواہی کی علامت ہے مگر نام لکھنے، پوشیدہ رکھنے اور پھر اسے ظاہر کرنے میں کیا راز ہے، اسے تو خیر خواہ امت مسلمہ ہی بہتر سمجھیں گے۔

؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مگر عام قاری اور سادہ لوح عوام کی نظر میں یہ دورخا پن ساری خیر خواہی کو زائل کر دیتا ہے، آدمی لاکھ دہائی دے اپنے خیر خواہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹے مگر اس کا اپنا عمل اسے عوام میں ننگا کر دیتا ہے ایسے ہی خیر خواہوں کے متعلق کسی نے کہا ہے۔

ستم بھی کرتے ہیں مضطر کرم کے پردے میں
گلے پہ رکھتے ہیں تلوار بھی گلے مل کر

خیر خواہ امت مسلمہ مولانا سید عبدالمنعم نظیر صاحب نے سلفیت سے مرعوب ہو کر اپنے پیروکاروں کو

تقلیدی حصار میں روکنے کی کوشش کی ہے اور سلفیت کی مذمت میں ایک کتابچہ بنام سلفیت تحریر کر کے ان سے اپنے دلی بغض وکینہ کا اظہار کیا ہے اور شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔کیا سلفی حضرات ''قیاس'' کے منکر ہیں؟

بغیر کسی حوالہ اور ثبوت کے اس کا تعلق انہوں نے امام داؤد ظاہری اور ابن حزم سے جوڑا ہے اور چودھویں صدی میں ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سے۔

ائمہ کرام اور سلفیت

تقلید ائمہ فرقہ بندی اور گروہ بندی کا مظاہرہ ہے جب کہ سلفیت ایک دعوت اور منہج ہے جو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ ومنہج کی پیروی کا نام ہے۔ وہی ہمارے سلف اور پیش رو ہیں۔ان کی اتباع وپیروی کا نام سلفیت ہے۔سلفیت کوئی فرقہ نہیں ہے۔جس اصول ومنہج پر سلف صالحین کار بند اور عمل پیرا تھے اور کتاب وسنت کی بالادستی کی تعلیم دیتے تھے فرعی اور فروعی اور اجتہادی مسائل وفہمِ کتاب وسنت میں اُن میں بھی اختلاف ہوا کرتا تھا مگر وسعتِ قلبی اور ایک دوسرے سے حسنِ ظن کی بنیاد پر اختلاف کے باوجود کوئی کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا تھا۔اور سلفِ صالحین کے منہج کی پیروی کا یہی مطلب ہے کہ ہم بھی باہم محبت ومودت، اتفاق واتحاد، اور رواداری کا مظاہرہ کریں اس کی دو شکلیں ہیں۔

پہلی شکل: یہ ہے کہ اجتہادی مسائل جن میں دلیل پوشیدہ ہوتی ہے اس میں ایک دوسرے کی آراء کا احترام کریں اور ایک دوسرے پر نکیر نہ کریں۔

دوسری شکل: یہ ہے کہ مسائلِ منصوصہ میں نص کی خلاف ورزی کرنے والے پر حکمت، نصیحت اور بطریق احسن بحث وحجت کے ذریعہ نکیر کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ:۲)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں ایک

دوسرے کی مدد نہ کرو۔

یہ ہے سلفیت کا مطلب کہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور اُن کی اصلاح کے پیش نظر اجتہادی مسائل میں رواداری کا مظاہر کیا جائے اور جو نصوص کتاب وسنت کے خلاف مسائل ہوں ان میں بھی حکمت، عمدہ نصیحت اور احسن طریقے سے بحث وحجت کا سہارا لیا جائے۔

ائمہ کرام بھی اسی اصول ومنہج پر عمل پیرا تھے۔فرقہ بندی اور گروہی عصبیت سے کوسوں دور تھے اور اپنی اجتہادی اور بشری کوتاہیوں کو سمجھتے تھے۔اسی لئے کتاب وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے اور خلاف کتاب وسنت اپنے اقوال سے رجوع بھی کر لیتے تھے۔اور اپنے شاگردوں کو بھی تاکید کرتے تھے۔کہ اگر میری بات خلاف کتاب وسنت ہو تو اسے دیوار پر مارو۔چند شہادتیں ملاحظ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔لوگ اس وقت تک ہدایت پر قائم رہیں گے جب تک ان میں علم حدیث حاصل کرنے والے موجود رہیں گے۔جب حدیث کے بغیر (دین کا) علم حاصل کیا جائے گا۔تو لوگوں میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے گا۔

(شعرانی نے میزان میں اس کا ذکر کیا ہے)

ایک آدمی امام مالک کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا۔امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک یہ ہے۔اس آدمی نے عرض کیا۔اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور:٦٣) جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔(یہ روایت شرح السنۃ میں ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے بہت سے اقوال ہیں ایک قول یہ بھی ہے۔

اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو سنت رسول معلوم ہو جائے۔اس کے لیے کسی آدمی کے قول کی خاطر سنت کو ترک کرنا جائز نہیں۔

(ابن قیم رحمہ اللہ اور فلانی نے اس کا ذکر کیا ہے)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے دہانے پر کھڑا ہے۔(اس کا ذکر ابن الجوزی نے کیا ہے)

ائمہ تمام کے تمام سلفِ صالحین کے اصولوں پر گامزن تھے جس پر اہل حدیث کا عمل ہے۔مگر مقلدین نے مسلکی عصبیت کا مظاہرہ کیا۔اور ائمہ کے نام پر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔مسلمانوں کے اختلاف فرقہ واریت اور خانہ جنگی کی داستان بڑی المناک اور عبرت انگیز ہے۔جو تاریخ میں محفوظ ہے۔عالمی منظر نامے سے ہٹ کر ہم ہندوستان کی تاریخ دیکھتے ہیں کہ یہاں مقلدین اور عاملین بالحدیث خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے راستوں پر گامزن تھے۔منصبِ تدریس پر فائز شاہ اسحاق صاحب نے ۱۸۴۵ء میں جب وطن چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا تو اپنی جانشینی کے لئے عامل بالحدیث سید نذیر حسین محدث بہاری کو منتخب کیا۔یہ تقلید کے پرستاروں کے لئے ایک چیلنج تھا۔چنانچہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی نے ایک کتابچہ ''کشف الحجاب'' کے نام سے شائع کیا۔اور یہ تأثر دیا کہ سید صاحب تو شاہ صاحب کے شاگرد ہی نہیں ہیں۔اس کتاب کا جواب مولانا محمد سعید بنارسی نے ''هداية المرتاب بردها في كشف الحجاب'' لکھا۔اور جب کتاب کمشنر کے عدالت میں پیش کی گئی تو پانی پتی اپنی بات سے مکر گئے۔پھر ایک خفیہ چٹھی کا فتنہ تھا۔جسے لکھ لکھ کر عوام میں تقسیم کیا گیا۔اشتہارات نکالے گئے اور اہل حدیثوں کی طرف غلط مسائل منسوب کئے گئے۔''جامع الشواهد في إخراج الوهابيين عن المساجد''،''انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد'' اور اس طرح کی دل آزاری کتابیں لکھ کر مقلدین نے ماحول کو خراب کر دیا۔اس طرح مسلمانوں میں آپسی رواداری اور محبت،مودت ناپید ہو گئیں۔اور ہندوستان کے سلفیوں/اہل حدیثوں میں بھی شدت پسندی آگئی۔

کیسے ممکن ہے دھواں بھی نہ اٹھے دل بھی جلے
چوٹ پڑتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتا ہے

آج بعض اہل حدیث مصنفین کی کتابوں میں جو مسلکی حملے یا غیر مناسب الفاظ دل شکن باتیں ملتی ہیں وہ سب مقلدین کی الزام تراشیوں، تہمتوں، اور کذب بیانیوں کا شاخسانہ ہیں۔ ورنہ سلفیت کی ڈگر تو محبت و موَدت، رواداری اور بھائی چارگی کی ہے۔ حزبیت، گروہ بندی اور فرقہ پرستی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سلفیت مسلمانوں کو متحد رکھنے کی ایک دعوت ہے۔ منہج سلف اختلاف کے باوجود ایک دوسرے پر گمراہی اور دخولِ جہنم کا فتویٰ صادر نہیں کرتا۔ کسی کلمہ گو کو کافر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ دلائل کی روشنی میں بحث وحجت کے ذریعہ اصلاح بین المسلمین کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ معمولی اختلاف کو نظر انداز کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں تالیف قلب کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ شرک وبدعت کو قطعی برداشت نہیں کرتا۔ وہ ''ما أنا علیه و أصحابي'' کی روش پر خود قائم ہے اور تمام مسلمانوں کو اُسی پر متحد ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ سلفیت کی جو دعوت ہے، یہی دعوت ائمہ کرام کی بھی تھی، انہوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ جو کتابوں میں آج بھی موجود ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ منعِ تقلید کے باوجود مسلمان غیروں کی سازشوں کے شکار ہو کر ان کی تقلید پر جم گئے اور ایسے جمے کہ امت فرقہ فرقہ ہوگئی۔ پھر آپس میں تکفیر و تضلیل جنگ وجدل اور محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوا اور معاملہ یہاں تک پہونچا کہ خانۂ کعبہ میں بھی مختلف مصلے اماموں کے نام سے بچھ گئے جو ساڑھے چار سو سالوں سے زیادہ قائم رہے اور مسلمانوں میں تقلیدی جمود اس درجہ سرایت کر گیا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز باطل اور آپس میں مناکحت حرام قرار پائی، تاریخ میں سب کچھ محفوظ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا اسے سلفِ صالحین اور ائمہ دین کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

چلئے ماضی کی تلخیوں کو بھول جائیے اور آئیے آج قرآن وحدیث پر متحد ہو جائیے، اسی پر قرون ثلاثہ کا اتفاق واتحاد تھا۔ سلف صالحین اور ائمہ دین اسی پر عمل پیرا تھے وریہی سلفیت کی دعوت ہے کہ ہم ایک امت ہیں امت بن کر رہیں۔ فرقوں میں نہ بٹیں۔ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کریں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكیٰ

منه عضو تداعی له سائر الجسد بالحمیٰ والسھر۔

مومنوں کی باہمی محبت، رحمدلی اور نرمی کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کے لئے بے چین ہو کر بخار و بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔

کاش! اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنے مقام اور حیثیت کو سمجھ لیں۔ اور اختلافات کے باوجود امت کے مفادات پر اپنی اپنی ترجیحات کو قربان کردیں۔ یہی سلفیت کی دعوت ہے۔

سفید جھوٹ

سلفیت کو انہوں نے منکرین قیاس میں شامل کیا ہے اہل حدیث یا سلفی حضرات قیاس کے منکر ہیں اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اور اہل حدیث یا سلفی حضرات کو امام داؤد ظاہری، ابن حزم یا ناصر الدین البانی کا مقلد بتایا جاتا ہے، سچ ہے:

؎ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

کوزپشت ساری دنیا کو کوزپشت ہی دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اپنی اصلاح سے زیادہ اسے دوسروں کو اپنے جیسا دیکھ کر ہنسنے اور انتقام لینے کی خواہش ہے۔

عبدالمنعم نے صفحہ ۷ تک جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ سلفی یا اہل حدیث حضرات قیاس کے منکر ہیں، آیئے دیکھیں اس میں کتنی صداقت ہے۔ اس کا تفصیلی جواب عبدالمنعم صاحب کو ۲۰۰۶ء ہی میں دیا جا چکا ہے مگر موصوف کا جو مشن ہے وہ انہیں صحیح باتوں کو قبول کرنے سے روک رہا ہے اور بغیر کسی حوالہ اور ثبوت کے وہ اہل حدیثوں پر اتہام طرازی کرتے رہتے ہیں اللہ انہیں عقل سلیم عطا فرمائے۔

۲۰۰۶ء میں شائع شدہ کتاب سے بعنوان ''کیا اہل حدیث قیاس کے منکر ہیں؟'' کے تحت مؤلف لکھتے ہیں علماء اہل حدیث نے عقل کو تھپکی دے کر سلانے کی بات کہاں کی ہے ذرا ثبوت تو دیں؟ بلکہ امام داؤد ظاہری یا ابن حزم کے بارے میں بھی بات مدلل اور ثبوت کے ساتھ لکھنی تھی مگر علامہ کو کن اپنے اصول وضوابط کے ہاتھوں مجبور ہیں وہ عوام کو بے وقوف بنانے اور اپنی چلانے کی خاطر ہر اوچھے

ہتھیار بے جھجک استعمال کرتے ہیں اوراس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

شرعی مسائل میں قیاس کا استعمال دور صحابہ میں بھی رائج تھا جس کا انکار کوئی بھی عقلمند اور تاریخی سرمائے کا جانکار نہیں کرسکتا قیاس بھی ایک شرعی اصول ہے اس کے قائلین اور منکرین اپنے اپنے پاس کافی دلائل بھی رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں اگر واقعی کسی کو جانکاری حاصل کرنے اور غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہوتو جماعت اہل حدیث کے مرکزی ادارہ ''جامعہ سلفیہ بنارس یوپی'' کی شائع کردہ کتاب ''قیاس ایک تقابلی مطالعہ'' کو گہرائی کے ساتھ پڑھ لے ان شاءاللہ حق واضح ہوکر رہے گا۔

قیاس کے سلسلے میں تین گروہ ہمارے سامنے آتے ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو قیاس کے باکل منکر ہے جس کا ذکر ہمارے علامہ نے کیا ہے مگر خیانت سے کام لیتے ہوئے امام داؤد ظاہری کو اس کا بانی مبانی بتایا ہے جب کہ ان سے پہلے بھی ایسے لوگ موجود تھے ملاحظہ فرمائیں۔

''ابراہیم بن سیار النظام نے سلف کے راستے کی مخالفت کرتے ہوئے قیاس کی نفی کی ہے اور احکام میں اجتہاد کو ناجائز بتلایا ہے جس پر معتزلہ کا ایک گروہ بھی عمل پیرا ہے اس سلسلے میں نظام کی متابعت کرنے والے جعفر بن حرب، جعفر بن مبشر اور محمد بن عبداللہ الاسکائی ہیں یہ معتزلی ہیں اور اعتزال میں اپنے پیروں کے امام ہیں اہل سنت میں سے داؤد بن علی بن خلف اصفہانی نے قیاس کے سلسلے میں معتزلہ کی پیروی کی ہے لیکن انہوں نے دلیل کو ثابت کیا ہے جو قیاس کی ایک قسم ہے (جامع بیان العلم ص: ۷۸،۷۷)(قیاس ایک تقابلی مطالعہ:۲۷)

ابن حزم کے سلسلے میں کتاب مذکور کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے:''ابن حزم اس بات کے منکر ہیں کہ صحابہ نے قیاس کی بات کہی ہے ان کا خیال ہے کہ قیاس دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے جس کا بعض لوگوں نے اقرار کیا اور تمام لوگوں نے انکار کیا ہے۔ابطال القیاس لابن حزم ص ۱۱۵۔امام ذہبی نے اس پر حاشیہ لگایا ہے''بل القیاس کان في زمن الصحابة'' بلکہ قیاس صحابہ کے دور میں تھا۔ ملاحظہ ہو الاحکام لابن حزم ۷/۷۷۱، قیاس ایک تقابلی مطالعہ:۲۸۔

ابن حزم کو انکار قیاس کے جرم میں کوسنے والے علامہ کو کن یہ بات بھی نوٹ کرلیں کہ قیاس کے

منکرین میں صحابہ وتابعین بھی آتے ہیں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں۔

وتعقب بعضهم الأولية التي ادعا ابن بطال بأن إنكار القياس ثبت عن ابن مسعود من الصحابة ومن التابعين عن عامر الشعبي من فقهاء الكوفة وعن محمد بن سيرين من فقهاء البصرة (فتح الباری ج۱۳،ص:۲۳۲)

بعض اہل علم نے ابن بطال کے اس دعوی (قیاس کا انکار سب سے پہلے ابراہیم نظام وغیرہ نے کیا) کورد کرتے ہوئے کہا کہ حالانکہ قیاس کا انکار اس سے پہلے صحابہ میں ابن مسعود اور تابعین میں سے کوفہ کے فقیہ عامر شعبی اور بصرہ کے فقیہ محمد بن سیرین نے بھی کیا ہے۔

اس طرح ایک گروہ منکر قیاس کا ہمارے سامنے آتا ہے جس میں ابن مسعود، عامر شعبی اور محمد ابن سیرین جیسے لوگ بھی شامل ہیں جو علامہ کوکن کو کچھ لب کشائی کی دعوت دیتے ہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو قیاس پر اس قدر فریفتہ ہے کہ اس نے قیاس کی وجہ سے احادیث تک چھوڑ دینے کا احمقانہ فیصلہ کر رکھا ہے۔ ائمۂ احناف میں سے قاضی عیسیٰ بن ابان معتزلی اور ان کے اتباع نیز متاخرین فقہاء احناف میں سے قاضی ابوزید دبوسی وغیرہ نے ۲۲۱ھ میں ان احادیث کا انکار کر دیا۔ جو ان کے نزدیک ان کے خیال میں ''غیر فقیہ صحابہ'' سے مروی ہیں اور قیاس پر پوری نہیں اترتی ہیں بلکہ بعد میں اس کے لئے ان کی اصولی کتابوں میں ایک قاعدہ کلیہ ذکر کر دیا گیا۔ مثلاً:

كان العمل بالقياس أولى لأنه لو عمل بالحديث في هذه الصورة أيضا لا نسد باب الرأي من كل وجه وقد أمر الله تعالىٰ بالقياس حيث قال "فاعتبروا يا أولي الأبصار" (أصول الشاشي، صفحه نمبر ۵) کے حاشیہ (۴) موسوم به عمدة الحواشي)

یعنی غیر فقیہ صحابی جب مخالف قیاس حدیث روایات کرے تو قیاس پر عمل بہتر ہے کیونکہ ایسی صورت میں اگر حدیث پر عمل کیا گیا تو ہر طرف سے رائے پر عمل مسدود ہو جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قیاس کا حکم دیا ہے ''سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو'' اور مقلدین نے ایسی عبرت پکڑی کہ ترک حدیث کے لئے صحابہ کو غیر فقیہ قرار دیا اور حدیث رسول کو قیاس کے کٹہرے میں کھڑا کر کے بڑی خوش اسلوبی سے انہیں

درایت سے عاری بتلا کر ہمیشہ کے لئے رخصت کردیا۔اس طرح قیاس کے بارے میں یہ دو گروہ ہمارے سامنے آتے ہیں جوافراط وتفریط کے شکار ہوگئے مگرایک تیسرا گروہ بھی ہے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جونہایت سنجیدگی اور متانت سے قیاس کو بوقت ضرورت استعمال کرتا ہے علامہ ابن تیمیہ نے قیاس کی مختلف صورتوں کا تذکرہ بڑی تفصیل اور دلنشین انداز میں کیا ہے جس سے مختلف گروہوں کے طورطریقوں پرروشنی پڑتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

أحدها: الحكم به قبل طلبه من النصوص المعروفة وهذا لا يجوز بلا تردد.

الثانية: الحكم قبل طلب نصوص لا يعرفها مع رجاء الوجود ولو طلبها فهذ ا طريقة الحنفية تقتضي جوازه ومذهب الشافعي وأحمد وفقهاء الحديث أنه لا يجوز ولهذا جعلوا النص وهو معنى قول أحمد " ما تصنع بالقياس وفي الحديث ما يغنيك عنه،، و هذه المسئلة هي الأم في الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي لكن يتفاوت أهل الحديث في طلب النصوص مطلب الحكم منها.

الثالثة: إذا يئس من الظفر بعض حديث يغلب على ظنه عدمها فهنا يجوز بلا تردد (المسودة لإبن تيمية،ص:٣٧٠)

۱-معروف نصوص کی طلب سے پہلے قیاس سے حکم بیان کرنا یہ صورت بلاتردد نا جائز ہے۔

۲-ایسے نصوص کی طلب سے پہلے جنہیں وہ نہیں جانتا لیکن ان کے وجود کی امید ہے۔قیاس سے حکم دے دینا اگر چہ انہیں طلب کرے یہ حنفیہ کا طریقہ ہے جواس جواز کا متقاضی ہے۔

امام شافعی، احمد اور فقہائے حدیث کا مذہب ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ انہوں نے قیاس کو تیمّم کے منزلے میں رکھا ہے وہ لوگ تیمّم کواس وقت جائز ٹھہراتے ہیں جب پانی نہ ہونے کا ظن غالب ہوجائے اس طرح نص کا مسئلہ بھی ہے امام احمد کے قول ''ما تصنع بالقياس وفي الحديث ما يغنيك ...'' کا یہی مطلب ہے۔یہ مسئلہ اہل حدیث اوراہل الرائے کے درمیان فرق پیدا کرنے والا ہے اہل حدیث نصوص کے طلب کرنے اوران سے حکم حاصل کرنے میں ان سے الگ ہیں۔

۳-جب کسی حدیث کے نص کے ملنے سے مایوس ہو جائے اور اس کا ظن غالب ہو کہ نہیں ہے اس صورت میں قیاس بلاتردد جائز ہے۔(قیاس ایک تقابلی مطالعہ،ص:۱۲۳)

اہل حدیث قرآن وحدیث اجماع امت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ حدود وقیود کے ساتھ قیاس کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر مقلدین میں سے کچھ لوگ ایسی افواہیں پھیلاتے ہیں کہ اہل حدیث قیاس کے منکر ہیں اس کے لئے وہ عبارتوں میں کتربیونت کرتے ہیں غلط باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جھوٹ پر جھوٹ کا طومار باندھتے ہیں اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ خیر خواہی کے نام پر کرتے ہیں۔

۱۹۷۸ء کی بات ہے بجرڈیہہ (بنارس یوپی) میں اہل حدیث اور مقلدین کے درمیان بحث وتکرار مناظرے تک جا پہونچی فریقین،مناظر اور منتظمین کے دستخط ہوئے آمنے سامنے کی بات تھی قیاس کی بھی بات آئی وہاں کسی مقلد نے یہ شوشہ نہیں چھوڑ کہ اہل حدیث قیاس کے منکر ہیں جب کہ شرائط مناظرہ نمبر۲ میں دفعہ میں ۸ کے تحت لکھا گیا کہ

”اہل حدیث کے خلاف حجت صرف قرآن مجید، احادیث صحیحہ حسنہ مرفوعہ ثابتہ اور اجماع امت وقیاس شرعی حسب تشریحات بالا سے قائم کی جاسکتی ہے کسی بھی اہل حدیث عالم کا قول ان کے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس قول کی بناء پر جماعت اہل حدیث پر کوئی شرعی حکم لگایا جاسکتا ہے۔(روداد مناظرہ، ص:۱۳)

پھر انہیں مقلدین نے ایک استفتاء ۱۹۹۳ء میں اہل حدیث اداروں میں بھیجا اور جب اس کا جواب انہیں مل گیا تو اسے اپنی کتاب میں نقل کیا اور یوں تبصرہ فرمایا۔

”غیر مقلدوں کے ان دونوں مولویوں نے فتویٰ میں قرآن کی آیت اور ایسی کوئی حدیث نہیں پیش کی جس میں تانبہ کو پیتل سے بیچنے کو جائز اور ناجائز صورتوں کو صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہو بلکہ دونوں مولویوں نے اپنے قیاس سے جواب دیا ہے کہ منصورہ مالیگاؤں کے مفتی نے جنس اور ثمنیت کی بنیاد پر جائز اور ناجائز ہونے کا حکم لگایا ہے اور اٹوابازار ضلع سدھارتھ نگر کے مفتی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پر قیاس کیا ہے۔لہٰذا کھلم کھلا ثابت ہو گیا کہ وہی غیر مقلد جو قیاس کی

مخالفت کرتے ہیں خود قیاس کرتے ہیں اور اپنے قیاس پر لوگوں کو عمل کراتے ہیں۔(غیر مقلدوں کے فریب،ص:۲۶،۴۵)

عجیب حال ہے ان مقلدین کا ایک طرف یہ شور وشغب بغیر کسی حوالہ اور دلیل کے کہ اہل حدیث قیاس کے منکر ہیں دوسری طرف جب آمنے سامنے شرائط طے ہوتے ہیں تو اہل حدیث کے خلاف قیاس شرعی کو بھی حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

پھر وہی لوگ امتحاناً ایسے سوالات پوچھتے ہیں جس کا جواب قیاس شرعی سے دیا جائے اور جب جواب دے دیا جاتا ہے تو پھر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ تو قیاس کے منکر ہیں آپ نے قیاس سے کیوں جواب دیا۔اہل حدیث قیاس کے منکر ہیں پہلے اسے دلائل سے ثابت تو کیا جائے۔

افسوس ہے کہ مقلدین ہمیشہ بے پر کی افواہیں پھیلاتے ہیں۔بے ثبوت اور بلاحوالہ باتیں اہل حدیث کی طرف منسوب کرتے ہیں اس میدان میں علامہ کوکن اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔کہنے کو تو وہ خود کو شافعی کہلوانا پسند کرتے ہیں مگر حنفیت کی گود میں بیٹھ کر شافعیت کی مٹی پلید کررہے ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ نے تو قیاس کو بذات خود کوئی اصل نہیں مانا ہے بلکہ قیاس کو تیمم کے منزلے میں رکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے قیاس کے بارے میں اپنا نظریہ یوں پیش کیا ہے۔

”والمذهب المعتدل ما قاله الشافعي أن القياس مشروع عند الضرورة لا أنه أصل برأسه“(فتح الباري ۱۳،ص:۲۳۳)

درمیانہ مذہب وہی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قیاس بوقت ضرورت مشروع ہے نہ کہ وہ بذات خود کوئی اصل ہے۔

امام شافعی یا علماء اہل حدیث قیاس کے منکر نہیں ہیں بلکہ قرآن وسنت کی عدم موجودگی میں قیاس کو جائز اور درست تسلیم کرتے ہیں۔جس طرح کہ پانی کی عدم موجودگی میں مٹی سے حصول طہارت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔

(مولوی سید عبدالمنعم کے تعاقب اور مسلک سلف کی وضاحت میں چند باتیں،ص:۲۸۱ تا ۲۸۷)

جھوٹ ہی جھوٹ

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اہل حدیث یا سلفی حضرات قیاس کے منکر نہیں ہیں چونکہ مسائل غیر منصوصہ میں قیاس واجتہاد کا ثبوت جب کتاب وسنت سے ثابت ہے تو حاملین کتاب وسنت اس کے منکر کس طرح ہوسکتے ہیں عبدالمنعم کی باتیں داؤد ظاہری کے متعلق ہوں یا ابن حزم اور البانی کے متعلق ہوں صرف باتیں ہی باتیں اور بے بنیاد باتیں ہیں کیونکہ حوالہ کسی ایک کا نہیں اور عبدالمنعم کو جھوٹ، فراڈ اور بے پر کی اڑانے اور لکھنے کی عادت ہے اور اسی سے وہ عوام کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر حوالوں سے لکھیں گے تو ان کا جھوٹ پکڑا جائے گا اور عوام میں جو مقبولیت ہے اور لوگوں کا جو اعتماد ہے وہ مجروح ہوگا اس لئے ان کی ساری کتابیں حوالوں اور ثبوتوں سے عاری ہیں۔

سلفیت کے صفحہ ۱۰ تک وہ قیاس واجتہاد کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ جب کہ اہل حدیث یا سلفی حضرات اس کے بالکل منکر نہیں ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے علم وفہم، غور وفکر کے لئے دیا ہے اگر اہل علم غور وفکر نہ کریں تو علم وفہم کی روشنی ماند پڑ جائے گی جیسے چھری کی دھار بے کار ہو جاتی ہے۔ ص: ۱۰

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غور وفکر کا منکر کون ہے کیا منکرین قیاس غور وفکر کے منکر ہیں یہی الزام وہ پہلے بھی اہل حدیثوں پر لگا چکے ہیں، جس کا جواب ۲۰۰۶ء میں طبع شدہ کتاب میں دیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفہم کی انمول دولت سے نوازا ہے اور اسی کی وجہ سے اسے تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے جو شخص اس نعمت کا صحیح استعمال نہ کر سکے وہ بڑا ہی بدنصیب ہے عقل وفہم کو تھپکیاں دے کر سلا دینا اور اسے استعمال میں نہ لانا اس نعمت کی ناقدری بھی ہے۔ لیکن کبھی کبھی انسان عقلمندی کے ایسے جوہر دکھاتا ہے کہ دوسرے تمام باشعور حضرات اس کے سامنے بودے اور بونے نظر آنے لگتے ہیں ہمارے علامہ بھی عقل کل کے مالک ہیں اور ایسی ایسی پھلجھڑیاں چھوڑتے ہیں کہ دوسروں کے ہوش وحواس غائب ہو جاتے ہیں۔

اہل حدیث کو قیاس کا منکر بتلا کر اپنی دانشوری کا سکہ جمانے کے لئے کافی تگ ودو کرتے نظر آتے

ہیں قیاس شرعی اور عمومی عقل وفہم کے استدلال کو گڈ مڈ کر کے عوام کو فریب دینے اور کاغذ سیاہ کرنے کا ان کا عمل ان کے محبوب مشغلے میں ممد ومعاون ہوتو ہو مگر عوام کا سنجیدہ اور باشعور طبقہ اچھی طرح جانتا ہے کہ قیاس کے منکر عقل کے استعمال کے خلاف نہیں ہیں۔ اور اگر قیاس اور عقل وفہم کا ایک ہی مطلب ہے تو ظاہر ہے قیاس ان مسائل میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی واضح نص موجود نہ ہو حالانکہ قیاس سے پہلے عقل وفہم کی ضرورت پیش آئے گی آپ نص تلاش کریں گے نص کی تبیین وتفہیم کے بعد آپ کی عقل تھک جائے گی تو تلاشِ بسیار کے بعد ایک چیز کو دوسرے کے مشابہ سمجھ کر یا کسی حکم کی علت و یکسانگی اور مماثلت کی بنیاد پر مقاس کو مقاس علیہ پر قیاس کریں گے۔

احادیث کی تشریح وتبیین اور واضح احکامات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بھی عقل وفہم کی ضرورت ہے کوئی صاحب عقل اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ شریعت اور صاحب شریعت نبی اکرم ﷺ کا مذاق تو وہ لوگ اڑاتے ہیں جو قیاس پر فریفتہ ہیں اور قیاس کو روبہ عمل لانے کے لئے صحابۂ کرام کو غیر فقیہ، غیر مفتی اور مجہول باور کرانے پر کمربستہ ہیں، انہیں ان کا یہ مجنونانہ عمل مبارک ہو۔

مقام حیرت ہے کہ علامہ کو کن نے قیاس کے منکرین کو اپنی عقلمندی اور ہنرمندی سے عقل وفہم پر قدغن لگانے کا مجرم گردانا ہے اس میں امام داؤد ظاہری اور ابن حزم آتے ہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عامر شعبی رحمہ اللہ اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ جیسے صاحب علم وفضل بھی آتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں'' ماتصنع بالقياس وفي الحديث مايغنيك'' مگر ہمارے علامہ کے طعن وتشنیع سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ (چند باتیں: ۲۸۸ تا ۲۸۹)

ذرا غور فرمائیں کیا احکامات کی تشریح کے لئے عقل وفہم کی ضرورت نہیں ہے اور حدیث پاک کا کوئی مفہوم نہ سمجھ کر آخر تشریح کس طرح کرے گا بغیر عقل وفہم کے آسان سے آسان مسئلے کا سمجھنا بھی مشکل ہے اور عقل وفہم پر پہرے بٹھانے کی بات کوئی بھی نہیں کرتا یہ تو محض ہمارے علامہ کی فریب دہی اور شرارت ہے کہ وہ قیاس کے منکرین پر عقل وفہم کے استعمال نہ کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں جب کہ قیاس کی ضرورت انسان کو گاہے بگاہے پیش آسکتی ہے مگر عقل وفہم کو کسی انسان سے ایک لمحہ کے لئے بھی

جدا نہیں کیا جا سکتا مگر ہمارے علامہ کی عقل سب سے نرالی ہے وہ قیاس کے منکرین سے عقل وفہم چھین لینے کے درپے ہیں اور جو قیاس پر عمل کرنے کے لئے احادیث رسول چھوڑنے اور صحابہ کرام کی کردار کشی میں معروف ومشہور اور پیش پیش ہیں انہیں دانشمندی اور صاحب عقل وفہم کا اعزاز بخشنے پر آمادہ ہیں۔

؎ بریں عقل ودانش بباید گریست

حاصل کلام یہ کہ اجتہاد اور قیاس کا دروازہ تو شریعت نے کھلا رکھا تھا اور یہ مسلمانوں کی ضرورت ہے جس پر کسی بھی زمانے میں قدغن نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ نت نئے مسائل کو قیاس صحیحہ کے ذریعہ ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ ایک سعودی عالم لکھتے ہیں ''اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور مذہبی تعصب درست نہیں یہ وہ دعوت ہے جو تاریخی اعتبار سے تقلید سے پہلے موجود تھی اور اس دعوت کے اصول خود رسول اللہ ﷺ نے وضع فرمائے اور یہی دعوت پہلی تین صدیوں میں جن کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ رائج تھی پھر مذاہب اور ان کے لئے تعصب کی دعوت معرض وجود میں آئی جس نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا علماء کی آراء کو کتاب وسنت پر فوقیت دینا شروع کر دیا اور مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا (الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب، ج۱ص:۱۵۴)

اہل حدیث کو قیاس اور اجتہاد کا منکر بتانا اپنی جہالت اور عصبیت کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہے۔

قرآنی آیات سے غلط استدلال

عبدالمنعم صاحب اہل حدیث یا سلفی حضرات کو بلا وجہ مطعون ومردود ٹھہراتے ہوئے دسویں صفحے پر پہنچے تو آ گئے تقلید کی دلدل میں۔ اور لوگوں کو تقلید کی دعوت دینے لگے۔

سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۹ جس میں اولوالامر کی اطاعت کا ذکر ہے اور آیت نمبر ۸۳ جس میں اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ ان دونوں آیتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اولوالامر سے مراد اہل علم ہیں۔ ص:۱۱

اپنی بات منوانے کے لئے عبدالمنعم صاحب نے سراسر دھوکہ دیا ہے۔

اولوالامر سے مراد صرف علماء ہی مراد ہیں ایسا نہیں ہے۔ تفسیر کی کتابوں سے خوب واضح ہے کہ اولوالامر کے دو طبقات ہیں۔ ایک میں علماء وفقہاء کو شامل کیا گیا ہے اور دوسرے میں احکام وامراء کو۔ اسلامی حکومت میں نظام حکومت دونوں طبقوں سے وابستہ ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، وغیرہ)

اب دونوں آیتوں میں موجود اولوالامر پر غور کریں۔

آیت نمبر ۵۹ میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم موجود ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا مگر آیت میں مزید اور احکامات ہیں، اسے بھی تو پڑھئے۔

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔

اب پوری آیت کا مطلب سمجھئے کہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ اور اولوالامر کی اطاعت ضروری ہے۔ مگر جب کسی مسئلے میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اس مسئلے کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف لوٹا کر اس کا فیصلہ کرالیا کرو یعنی قرآن وحدیث سے اس مسئلے کی جانکاری اور رہنمائی حاصل کرو۔ یہاں اولوالامر کا تذکرہ نہیں کیا گیا کیونکہ اولوالامر کی اطاعت عارضی ہے، مستقل نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ مسئلے میں علماء کا اختلاف ہوگیا تو اختلاف کا حل نکالنے، کتاب وسنت سے فیصلہ لینے کے بجائے ہم آپس میں علماء کے آراء واجتہاد کو تقسیم کرلیں، یہ تمہارا عالم ہے تم اس کو مان لو۔ یہ ہمارا عالم ہے ہم اسے مان لیں۔ یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے مسلکوں کو جنم دیا ہے۔ قرآن نے تیسری اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کو مشروط قرار دیا تھا۔ مگر اسے مستقل مان لینے کی صورت میں اختلافات کو سَر اُبھارنے اور پنپنے کا موقع ملا۔

اس طرح پوری آیت جب سوچ سمجھ کر پڑھیں گے تو یہ حقیقت ضرور واضح ہوگی کہ اس میں اولوالامر

کی اطاعت کا تذکرہ ہے جو ضروری ہے مگر اسی آیت میں اختلاف کی صورت میں اسے بالکل نظر انداز کر کے واضح کر دیا گیا کہ اولوالامر کی اطاعت عارضی اور مشروط ہے مستقل نہیں۔

دوسری آیت نمبر ۸۳ پڑھیے۔ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول ﷺ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

اس آیت کا جب نزول ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ بقید حیات تھے آپ کی اور اولوالامر کی جانب امن اور خوف کی باتوں کو لوٹانے اور صحیح صورت حال سے واقفیت کی تعلیم دی گئی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد اسے احادیث اور الوالامر سے حل کیا جائے اس آیت کا تقاضا ہے لیکن آپ آیت کے مفہوم پر غور وخوض کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا کچھ پس منظر ہے۔ دیکھئے قرآن کہتا ہے جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا۔ قرآن وحدیث کی بات نہیں امن اور خوف کی بات ہے۔

آج بھی گاؤں گاؤں میں، قصبوں اور محلوں میں رہنے والوں میں کچھ ارباب حل وعقد ہوتے ہیں جو سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل کا حل نکالتے رہتے ہیں، یہ ان کی اپنی فیلڈ ہوتی ہے جس میں انہیں مہارت حاصل ہوتی ہے۔ امن اور خوف کی بات کر کے قرآن نے اسے خود واضح کر دیا۔ مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت وشکست کی خبر سن کر امن واطمینان کی لہر کا دوڑ جانا یا مسلمانوں کی شکست اور ہلاکت وغیرہ کی خبر سُن کر خوف اور افسردگی کا پھیل جانا ایک فطری امر ہے مگر جلد باز مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ ایسی خبریں آئیں تو انہیں پھیلانا مت شروع کریں۔ نبی ﷺ اور اولوالامر یعنی نبی ﷺ کے مشیر کار کی طرف لوٹا دیا کریں تا کہ وہ علم وتجربہ کی روشنی میں اس کی تحقیق کر لیا کریں۔ بلکہ نبی ﷺ نے بھی اس بارے میں امت کو یہ تعلیم فراہم کی ہے ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے پھیلانے سے پرہیز واجتناب لازمی ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''کفیٰ بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع'' (مقدمہ مسلم)

یعنی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے۔

اس آیت کریمہ اور حدیث رسول میں عام مسلمانوں کے لئے بڑا اسبق ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو پھیلانے اور اسے لکھنے یا تشہیر کرنے سے پہلے اس کی تحقیق ضرور کرلیا کریں۔ بات دنیاوی ہو یا دینی، امن وامان کی ہو یا خوف ودہشت کی ہو آدمی جہاں موجود ہے وہاں کی بات ہو اور کہیں اور جگہ کی ہو۔ اس کی تحقیق کرے۔ ارباب حل وعقد تک جائے اور جب بات صحیح نکلے تو اگر ضرورت محسوس کرے پھیلانے کی تو وہ اسے پھیلائے اور اس کی تشہیر کرے۔

آج کل اولوالامر کی طرف منسوب کتنے ہیں مسائل چل رہے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہی نہیں ہیں اور اولوالامر بھی تو ہر جماعت کے پاس الگ الگ ہیں۔ کہیں میٹھی سنتیں ہیں کہیں کچھ اور۔ اور ہر ایک کو اولواالامر کی تائید وتوثیق حاصل ہے۔

مختصر یہ کہ جن دو آیتوں کو مولانا سید عبدالمنعم صاحب نے تقلید کی حمایت اور وکالت میں لکھا ہے ان آیتوں میں وہ باتیں ہیں ہی نہیں جنہیں وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو قرآن کی رو سے ائمہ کرام کے مسلک کی تقلید ہر کسی پر فرض بتلاتے ہیں۔ ص: ۱۰

یہ قرآن فہمی ہے یا مسلکی تعصب، اسے تو موصوف خود سمجھیں۔ مگر مفسرین قرآن نے اب تک اس آیت سے تقلید کی فرضیت کا اعلان نہیں کیا ہے۔ اگر اولوالامر کی تقلید فرض ہے تو یہ ہر زمانے میں فرض رہی ہوگی۔ دورِ صحابہ، دور تابعین، تبع تابعین، محدثین، مجتہدین کا دور تو اس سے خالی نظر آتا ہے۔ یہ ائمہ اربعہ کے نام پر جو فراڈ چل رہا ہے۔ الحمدللہ ان کا دامن ان تقلیدی غلاظتوں سے پاک وصاف ہے۔ انہوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے سختی سے منع کیا ہے۔ وہ سب ہمارے ہیں، اہل حدیث ہیں وہ جس اصول ومنہج پر گامزن تھے اہل حدیث بھی اسی اصول ومنہج پر ہیں۔ ناحق انہیں کیوں بدنام کررہے ہو نہ تم ان کی کتابیں پڑھتے ہو، نہ اسے عوام میں پیش کرتے ہو۔ رواجی کتابوں کو ان کی طرف بنام فقہ شافعی منسوب کرکے محض فرقہ بندی کو ہوا دیتے ہو۔ قرآن نے اولوالامر کی اطاعت کو ضروری تو قرار دیا

مگر مشروط۔

عبدالمنعم صاحب اولوالامر سے اگر ائمہ کرام کو مراد لیتے ہیں جیسا کہ آپ کا استدلال ہے تو یہ بھی تو طے کرنا پڑے گا کہ کیا اولوالامر کی تقلید کی فرضیت چار پر ہی ختم ہوگئی اور قیامت تک اولوالامر پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ پھر امن اور خوف کی خبریں لے کر لوگ کس کے پاس جائیں گے۔ ایسی باتوں کی گہرائی تک کون پہنچے گا یا اب امن اور خوف کی باتیں پیش ہی نہیں آئیں گی؟

ظاہر ہے وہ ائمہ کرام جن کی تقلید کی جاتی ہے اللہ انہیں غریق رحمت کرے دنیا سے جا چکے ہیں امن اور خوف کی باتیں حل کرنے کے لئے وہ دنیا میں نہیں آئیں گے اور ہر دور میں امن اور خوف کی باتیں ہوں گی۔ نئے نئے مسائل سے امت دو چار ہوگی۔ اور امت پر ائمہ کرام کی تقلید بقول عبدالمنعم فرض ہے۔ یہ نئی اختراع، نئی بدعت کہاں سے نمودار ہوئی جب کہ نبی ﷺ کی دعوت بھی ہے اور پیشین گوئی بھی کہ اس امت کی نجات صرف دو چیزوں پر منحصر ہے۔ ''یایھا الناسُ إني قد تركتُ فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً كتاب الله وسنة نبيه ﷺ'' (مستدرک حاکم ج/۱، ص: ۹۳، سنن الكبرىٰ للبيهقي ج/۱، ص: ۱۱۴ واللفظ له)

یعنی اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں اگر تم اس پر مضبوطی سے قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

نبی ﷺ کی دعوت اور پیشین گوئی کی روشنی میں اب مسلک کی تقلید کو فرض قرار دینے والے ذرا غور کریں کہ گمراہی سے دور رکھنے والا نسخہ ہے مضبوطی سے قرآن وحدیث کو تھامے رکھنا جیسا دور صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور خود ائمہ مجتہدین کے دور میں تھا اور جب تقلید نے اپنے پر و باز و پھیلائے شخصیت پرستی کا دور آیا۔ تو امت مسلمہ کن کن مصائب، اختلافات وانتشار سے دو چار ہوئی اور وہ فرقے فرقے کیسے ہو گئے جب کہ قرآن نے فرقہ پرستی سے سختی سے روکا تھا۔ مگر......

ہوئے اس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

تقلید، تعصب اور فرقہ بندی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

ترجمہ: کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو در اصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت وائتلاف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت واطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا افتراق اور انتشار انگیزی ہے جس سے ''پھوٹ نہ ڈالنا'' کہہ کر منع کر دیا گیا ہے۔ (احسن البیان)

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعاً وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

''وَلَا تَفَرَّقُوا'' اور پھوٹ نہ ڈالو، کے ذریعہ فرقہ بندی سے روک دیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجئے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی۔ قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی توضیح وتعبیر میں کچھ باہم اختلاف، یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے، یہ اختلاف تو صحابہ وتابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث رسول ﷺ۔ لیکن جب شخصیت کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت وعقیدت کے یہ مرکز ومحور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور اُن کے اقوال وافکار اولین حیثیت کے، اور اللہ ورسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ فکر ونظر کی یہ کجی اتنی بڑھی کہ یہ اختلاف جو تحزب وتفرق کی بنیاد ہے اور جس سے قرآن نے روکا ہے۔ اُسے نعوذ باللہ ''رحمت'' قرار دیا

جارہاہےاوراس کیلئے یہ موضوع روایت پیش کی جاتی ہے کہ ’’میری امت کااختلاف رحمت ہے‘‘۔

حالانکہ اگر اختلاف رحمت ہوتا تو نبی ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا باقی سب جہنم میں۔

اب مسلمانوں کے تمام فرقے دعویدار ہیں کہ جنتی فرقہ وہ ہیں حالانکہ اس کا مصداق تو وہی ایک فرقہ ہوگا جس کی پہچان آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ’’ ما أنا علیه و أصحابي ‘‘ کو جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ و أحمد (احسن البیان)

قرآن کی کتنی واضح تعلیم ہے کہ فرقہ بندی مذموم ہے اور اتفاق واتحاد مطلوب وممدوح ہے اور اس کی واحد شکل یہ ہے کہ سارے مسلمان صرف اور صرف کتاب وسنت پر عمل پیرا ہوں اور نصوص شرعیہ (قرآنی آیات واحادیث صحیحہ) کو ائمہ اور بزرگوں کی آراء پر فوقیت دیں قرآن وحدیث کی بالادستی کو تسلیم کریں۔ اہل حدیث اسی اصول کی پابندی کرتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ آیئے دیکھیں متعصب مقلدین کیا فرماتے ہیں۔

۱-’’کل آیة أو حدیث تخالف المذهب فهي إما مؤولة أو منسوخة‘‘۔

ہر ایسی آیت اور حدیث جو حنفی مذہب کے خلاف ہو اس کی یا تاویل کردی جائے گی یا اسے منسوخ تصور کیا جائے گا۔ (ما لا یجوز فیما لخلاف بین المسلمین ، ص:۹۵)

۲-فو الله لم یولد في الإسلام بعد النبي ﷺ وأصحابه أعبد وأسعد من أبي حنیفة.. (إعلاء السنن)

اللہ کی قسم! اسلام کی تاریخ میں نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کے بعد ابوحنیفہ سے زیادہ عبادت گزار اور سعادت مند پیدا ہی نہیں ہوا۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ’’إن خیر التابعین رجل یقال له أویس ‘‘ (صحیح مسلم)
یعنی تابعین میں سب سے بہتر شخص وہ ہوگا جسے ’’اویس‘‘ کہا جائے گا (یا جس کا نام اویس ہوگا)

۳-’’فلعنة ربنا أعداد رمل علی من رد قول أبي حنیفة‘‘۔

سوائے شخص پر ریت کے ذرات کے برابر اللہ کی لعنت ہو جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کر دے۔(سیر أعلام النبلاء:۱۸/ ۵۰۹)

۴-ایک متعصب شافعی ابوعبداللہ البوشنجی لکھتا ہے۔''میں زندگی بھر شافعی مسلک پر چلتا رہا ہوں اور میں جب مرجاؤں گا۔میری وصیت لوگوں کے لئے یہ ہوگی کہ وہ بھی شافعی بن جائیں''(سیر أعلام النبلاء:۱۰/۷۳)

۵-ایک متعصب مالکی قاضی عیاض کا کہنا ہے''اور امام مالک ان میں سب سے افضل ہیں جو کہ مدینہ منورہ دارالہجر ۃ کے امام ہیں۔(سیر أعلام النبلاء: ۸/ ۱۰)

۶-ایک متعصب حنبلی ابواسماعیل انصاری کا کہنا ہے''میں اپنی زندگی میں حنبلی ہوں اور مرنے کے بعد لوگوں کے لئے میری وصیت یہ ہے کہ وہ بھی حنبلی بن جائیں۔(سیر أعلامالنبلاء:۱۸/ ۵۰۶)

۷-ایک اور متعصب حنبلی ابو حاتم بن خاموش کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو حنبلی نہیں وہ مسلمان نہیں۔(سیر أعلام النبلاء:۱۸/ ۵۰۹)

ان حوالوں کی روشنی میں اندازہ لگائیے کیا تقلید نے لوگوں کو متعصب نہیں بنایا اور اسی تعصب اور شخصیت پرستی نے مسلمانوں کو فرقوں میں نہیں بانٹا؟ کیا یہ اتفاق واتحاد امت کا راستہ ہے؟ کہ اپنے امام کو دوسرے ائمہ سے برتر واعلیٰ تصور کیا جائے اور اس کی فقہ کو دوسرے امام کی فقہ پر ترجیح دی جائے۔اس سلسلے میں ایک حنفی عالمِ دین کی شہادت ملاحظہ فرمائیں کہ''یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تقلید وتعصب نے امت مسلمہ کو فرقوں میں بانٹ دیا۔اور مسلمانوں کے دلوں میں کدورتیں پیدا کر دیں۔

امام ابن ابی العز حنفی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ایک امام اور اس کی فقہ کے لئے تعصب کی وجہ سے فرقہ بندی کو ہوا ملتی ہے اور اجتماع امت کی شدید حوصلہ شکنی ہوتی ہے چنانچہ جب محمد بن محمود نے''النکت الظریفة في ترجیح مذهب أبي حنیفة''لکھی تو ان کے رد میں امام ابن ابی المعز حنفی نے'' الاتباع''تصنیف کی۔جس کے شروع میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔

میں نے ایک حنفی کا تحریر کردہ رسالہ دیکھا جس میں اس نے مذہب ابی حنیفہ کی تقلید کو ترجیح دی ہے۔

اور ترغیب تقلید دلائی ہے۔ مجھے اس میں کافی اشکالات محسوس ہوئے، اس لئے میں نے پسند کیا کہ ان پر تنبیہ کروں تا کہ امت میں وہ افتراق پیدا نہ ہو جس سے منع کیا گیا ہے اور اتباع دلیل کے بجائے خواہش پرستی کی نہ ہو جائے جو تباہ کن ہے۔ (الإتباع، ص:۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک امام کی تقلید کو ترجیح دینے اور اس کی طرف ترغیب دلانے سے امت میں افتراق وانتشار پیدا ہوتا ہے اور خواہش پرستی شروع ہو جاتی ہے اور یہ فرمان ایک حنفی امام کا ہے۔

اور جب صاحب رسالہ ''النکت الظریفۃ في ترجیح مذہب أبي حنیفۃ'' نے ایک دلیل یہ پیش کی کہ ابو حنیفہ خیر القرون میں تھے لہٰذا وہ دوسرے ائمہ سے افضل ہیں تو اس کے جواب میں امام ابن ابی العز حنفی کہتے ہیں کہ مالکی بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے امام (مالک رحمۃ اللہ) بھی خیر القرون میں تھے اور ایسی جگہ پر تھے جہاں وحی اترتی تھی اور ایسے شہر میں تھے کہ جس کے رہنے والوں کے اجماع کو بعض علماء با قاعدہ دلیل تصور کرتے ہیں اس کے بعد امام ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں۔

'' ومن مثل هذا الاستدلال نشأ الافتراق في هذه الأمة، فإنا لله وإنا إليه راجعون '' (الإتباع، ص:۲۸)

اسی طرح کے طریقۂ استدلال سے امت میں فرقہ بندی پیدا ہوئی تو اس پر جس قدر اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔

تقلید اور مذہبی تعصب کے بھیانک نتائج بیان کرتے ہوئے ایک سعودی عالم دین دکتور مانع جہنی لکھتے ہیں۔

جب تقلید اور مذہبی تعصب قرون خیر کے بہت بعد امت میں پھیل گیا تو اس سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا اور کافر مسلمانوں پر غالب آ گئے اور اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور علماء کی آراء کو کتاب وسنت پر فوقیت دی جانے لگی۔ اور کہا گیا کہ کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ کرنا ناممکن ہے سوا ایک مذہب کے لئے غلبہ حاصل کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں اور دوسرے مذاہب سے برآت کا اعلان کر دیا گیا۔ اور دوستی اور دشمنی اپنے فقہی مذہب کی بنیاد پر کی گئی (الموسوعة الميسرة في الأديان

والمذاهب ۲۴۳/۱)

اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ تقلید اور مذہبی تعصب کی وجہ سے احناف اور شافعیہ نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور آپس میں مناکحت کو حرام قرار دے دیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے چلئے اور ''اصفہان'' اور ''الری'' میں خون کی نہریں بہادیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (معجم البلدان ج ۱/ص: ۲۷۳، ج ۴/ص: ۳۵۵)

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ افتراق وانتشار کی جڑ محض یہ تقلید شخصی ہے، کون نہیں جانتا حرم مکی میں ترکوں کے دورِ خلافت میں چاروں مسالک کے الگ الگ مصلے ہوا کرتے تھے۔ ایک ہی مسجد میں ہر نماز کی چار جماعتیں ہوتی تھیں۔ کیا یہ مذہبی فرقہ پرستی کا نتیجہ نہیں تھا۔ ہم تمام مقلدین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تقلیدی جمود توڑ کر کتاب وسنت کا راستہ اپنائیں تا کہ اتحاد امت کی راہ ہموار ہوسکے ورنہ جب تک یہ تقلیدی جمود باقی رہے گا اس وقت تک امت افتراق وانتشار جیسی لعنت میں گرفتار رہے گی۔

متضاد اور گمراہ کن باتیں

موصوف نے ص: ۱۲ سے صحابہ کرام کے علم وفضل کا تذکرہ چھیڑا ہے وہ صحابہ جنہیں حدیثیں زیادہ یاد تھیں اُن کے کچھ نام گنوائے ہیں۔

پھر ابن القیم رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لوگوں میں قرآن وسنت کا علم چار صحابہ کرام کے شاگردوں سے پھیلا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس۔ رضی اللہ عنہم

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے نبی ﷺ کی دعا تھی کہ اللہ انہیں دین کا فقیہ بنائے اور قرآن کا علم عطا کرے آپ کو ''حبر الأمة'' کا خطاب ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ترجمان القرآن کیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حلقہ درس مدینہ منورہ میں تھا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کوفہ میں۔ پھر تابعین کا ذکر خیر کرتے ہیں اور محدثین کی خدمات کو سراہتے ہوئے دوسری صدی میں داخل ہوتے ہیں ۔ پھر فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ پہلی صدی محدثین کی صدی تھی اور دوسری صدی فقہاء کی صدی تھی۔ پھر

﴿ فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ ﴾ اور حدیث رسول '' من یرد الله به خیراً یفقهه في الدین ''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے کی گئی نبی ﷺ کی دعا '' اللهم فقهه في الدین وعلمه التأویل '' نقل کرتے ہیں۔ پھر امت پر فقہاء کے احسان کا تذکرہ ہے اور آخری حکم یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے بعد فقہاء کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے۔ (ملخصاً ص:۱۲ تا ص:۱۷)

عبدالمنعم صاحب کی تحریر کا یہ خلاصہ ہے اور پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ امت پر فقہاء کی اطاعت ایسے ہی فرض ہے جیسے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت فرض ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تیسری فرضیت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تفسیر کی کتابیں دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ ''اولوالامر'' میں علماء اور امراء دونوں ہی آتے ہیں لیکن ان کی اطاعت مشروط ہے۔ اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور اجتہادی مسائل میں اس کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے تو کسی کی اطاعت فرض کیسے ہوگی؟ مجتہد تو اپنی کوشش، صلاحیت اور صالحیت کی بنیاد پر غلط اجتہاد پر بھی مأجور ہوتا ہے۔ مگر جس پر اس کی غلطی واضح ہو جائے اُسے اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔

موصوف نے جگہ جگہ کچھ لن ترانیاں بھی ہانکی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۱- ہزاروں صحابہ ایسے تھے جنہیں ایک بھی حدیث یاد نہیں تھی۔ ص:۱۳

۲- اول تو صحابہ سے لے کر تابعین تک سبھی اپنی یادداشت سے کام لیتے تھے، لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ ص:۱۴

۳- جب پہلی صدی ہجری میں احادیث کا ذخیرہ جمع ہوا تب فقہاء کا دور شروع ہوا۔ ص:۱۵

۴- جو محدثین کہلاتے ہیں انہیں صرف احادیث سننے اور یاد رکھنے کا ذوق تھا وہ علم وتحقیق سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ص:۱۵

۵- اور جو اہل علم کہلاتے ہیں انہیں احادیث کی ضرورت تو تھی مگر ہزاروں اور لاکھوں احادیث کو یاد کرنے کا شوق نہیں تھا۔ بس علم وفقہ کے لئے جو ضروری احادیث جاننا تھا۔ اسی پر محدود رہے اور علمی تحقیق میں لگ گئے تھے۔ ص:۱۵

۶-پہلی صدی محدثین کی صدی تھی اور دوسری صدی فقہاء کی صدی تھی۔ص:۱۶

۷-اس طرح فقہاء نے اللہ اور رسول کے منشاء دین اور شریعت کی تکمیل کی اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کا اظہار ہوا۔ص:۱۷

اب آیئے دیکھیں کو ان دعووں کی حقیقت کیا ہے۔

۱-یہ گپ بغیر کسی حوالہ کے ہے حدیث کی روایت نہ ہونا الگ چیز ہے مگر انہیں ایک بھی حدیث یاد نہیں تھی۔کلمہ شہادت تو انہوں نے پڑھا ہی ہوگا،نماز پڑھتے ہی رہے ہوں گے۔ثناء،استفتاح، التحیات،درود اور دیگر دعائیں تو پڑھتے ہی رہے ہوں گے۔انہیں بالکل جاہل اور گنوار باور کرانے کا مقصد کچھ اور ہے۔یہ اس مقدس گروہ کے افراد کی کردار کشی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی ہے۔اور صحابی کی تنقیص کرنے والا زندیق ہے۔

۲-صحابہ میں حدیث لکھنے کا رواج کم تھا۔مگر موصوف کا دعویٰ ہے بالکل نہیں تھا۔یہ بہت بڑا دھوکہ اور فراڈ ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یادداشت بہت مشہور ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کتابتِ حدیث-کئی صحابہ ایسے تھے جو احادیث لکھا کرتے تھے۔ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب ''دراسات في الحديث النبوي''میں صحابہ کے صحیفوں کی تعداد واضح کیا ہے وہ کل باون (۵۲) ہیں۔

صحابہ کے متعلق موصوف کا دعویٰ گپ اور فراڈ ثابت ہوا۔تابعین کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۳-ایک طرف موصوف کا یہ دعویٰ کہ صحابہ سے لے کر تابعین تک احادیث لکھنے کا رواج نہیں تھا، دوسری طرف یہ اقرار کہ پہلی صدی ہجری میں احادیث کا ذخیرہ جمع ہوا۔تب فقہاء کا دور شروع ہوا۔پہلے دعوے کے مطابق ۱۵۰ھ تک احادیث لکھنے کا رواج ہی نہیں تھا اور پھر یہ اعتراف کہ پہلی صدی ہجری میں احادیث کا ذخیرہ جمع ہوا۔سمجھ میں نہیں آتا کہیں موصوف اپنا ذہنی توازن تو نہیں کھو بیٹھے ہیں۔

۴-محدثین کی کردار کشی کتنے خوبصورت ڈھنگ سے کی گئی کہ انہیں احادیث سننے اور یاد رکھنے کا ذوق تھا۔''استغفر اللہ''۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔''نضر الله امرء سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه ''۔(سنن

ابی داوٗد: ۳۶۶۰، ترمذی: ۲۶۵۶، وصحیہ ابن حبان: ۲:۷۲-۷۳) اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اُسے یاد رکھا۔ تا آنکہ اُسے (دوسروں تک) پہنچائے۔

حدیث سننے یاد رکھنے اور پہنچانے پر نبی ﷺ کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ مگر کہا جارہا ہے کہ انہیں ایک ذوق تھا۔ وہ علم وتحقیق سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ حدیثوں کو یاد رکھنا ان پر عمل کرنا، انہیں پرکھنا اور دوسروں تک اُسے پہنچانا، کیا یہ علم وتحقیق نہیں ہے؟

۵-محدثین کا شمار اہل علم میں نہیں بلکہ اہل علم وہ ہیں جنہیں تھوڑی بہت حدیثیں مل گئیں۔ بس وہ تحقیق میں لگ گئے۔ یہ محدثین کی بھی تضحیک ہے اور فقہاء کی بھی کیونکہ مثل مشہور ہے کہ ''نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان'' اگر محدود حدیث پر ہی فقیہ اپنی فقاہت کے جوہر دکھائے گا تو وہ ضرور لڑکھڑائے گا ٹھوکر کھائے گا۔ ویسے بھی مجتہد کے اجتہاد میں خطاء کا بھی احتمال باقی رہتا ہے۔

۶- پھر وہی بکواس۔ پہلی صدی محدثین کی صدی تھی دوسری صدی فقہاء کی صدی تھی۔ موصوف کو شاید نسیان کی بیماری ہے۔ وہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ سے لے کر تابعین تک لکھنے کا رواج نہیں تھا اور تابعین کا دور ۱۵۰ھ پر ختم ہوتا ہے اور اب پہلی صدی کو محدثین کی صدی کہہ رہے ہیں۔ ان کی تحریروں میں کافی تضاد موجود ہے۔

۷-سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کا ایک حصہ لکھ کر موصوف نے قرآن کے ساتھ کھیلواڑ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ تأثر دیا ہے کہ نبی ﷺ پر اگرچہ یہ آیت نازل ہوئی مگر اس وقت دین مکمل نہیں ہوا تھا۔ دین کی تکمیل کا کارنامہ فقہاء نے انجام دیا۔ موصوف کی گمراہ کن عبادت پڑھئے اور اندازہ لگایئے کہ اس قسم کے علماء کس طرح خیر خواہی کے پردے ہیں یہود ونصاری کے احبار اور رہبان کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

''اس طرح فقہاء نے اللہ اور رسول کے منشاء دین اور شریعت کی تکمیل کی اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کا اظہار ہوا''۔

؎ بریں عقل ودانش بباید گریست

اجماع امت کی حقیقت

موصوف نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۱۵ مع ترجمہ نقل فرمائی ہے اور یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ جن فقہی مسلکوں پر امت کا اجماع ہوا ہے اس پر بھی عمل کرنا فرض ہے۔ ص: ۱۷

مزید لکھتے ہیں کہ جو اجماع امت کے خلاف کرے گا وہ کافر ہوگا۔ ص: ۱۸

پھر اصل مقصد پر آتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری میں علمائے امت کا اجماع ہوا کہ امت پر چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا فرض ہوگا۔ ص: ۱۸

عوام کو تو پتہ ہی نہیں ہے کہ اجماع کیا ہے؟ اجماع صحابہ کیا ہے؟ اجماع امت کیا ہے؟ اور کون سا اجماع معتبر ہوتا ہے۔ اور ہمارے مقلدین بھائیوں کے ہاتھ میں اجماع کی تلوار ہوتی ہے۔ جسے بالکل بے باک ہو کر وہ چلاتے ہیں اور اجماع کا ثبوت مانگ لو تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ اجماع کے سلسلے میں سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۱۵ بالکل واضح ہے کہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر دخول جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس آیت کی رو سے کوئی بھی شخص اجماع کا انکار نہیں کرتا مگر جماعت صحابہ کے اجماع کے بعد کسی بھی مسئلے میں امت کا اجماع مشکل ترین امر ہے جو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید پر اجماع کا دعویٰ محض دعویٰ ہے۔ کتنے مقلدین علماء ہیں جو خود تو تقلید کرتے تھے مگر انہوں نے اس اجماع کی قلعی کھول دی ہے۔ ہمارے پاس دلائل کے انبار ہیں۔ نمونہ میں مولانا عبدالعلی صاحب کی تحریر پیش کرتا ہوں۔

صاحب ''بحر العلوم'' شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''إذا لا واجب إلا ما أوجبه الله تعالىٰ والحكم له ولم يوجب على أحد أن تمذهب بمذهب رجل من الأئمة فإيجابه تشريع جديد''۔

ترجمہ: کوئی چیز واجب نہیں بجز اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور اسی کا حکم ہے اور

اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ اماموں میں سے کسی امام کے مذہب کو اپنا مذہب ٹھہرائے۔ بس اس کا واجب کرنا اپنی طرف سے شرع قائم کرنا ہے۔

موصوف نے چوتھی صدی میں جو تقلید ائمہ پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ محض گپ اور فراڈ ہے اگر وہ بات منوانا چاہتے ہیں تو لکھیں کہ یہ اجماع کہاں ہوا؟ اور اس میں کون کون لوگ شامل تھے؟ آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ اس سلسلے میں اجماعِ امت کیا ہے؟

امت محمدیہ کا جو سب سے پہلا طبقہ ہے وہ صحابہ کرام کا ہے۔ صحابہ کرام کا اس امر پر اجماع تھا کہ حدیث وسنت رسول پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ کسی سے اس کے خلاف اور قول منقول نہیں۔ اس لئے کہ ان کو بہت اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا یہ حکم ہے۔ لہٰذا انہوں نے حدیث وسنت پر ایسے ہی عمل کیا جیسا کہ قرآن پر کیا۔ پھر صحابہ کے بعد پوری امت کا اتفاق اس پر برقرار رہا۔ کسی کو اس سے سرتابی کا مجال نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ ساری امت کا گزشتہ ادوار سے آج تک اس امر پر اجماع ہے کہ حدیث وسنت رسول کا قبول کرنا واجب اور ضروری ہے اور اس کو مصدرِ تشریعی کی حیثیت حاصل ہے۔ صحابہ سے لے کر آج تک جس پر امت کا اجماع رہا ہے وہ حدیث وسنت پر عملاً وجوب کا ہے جو بالکل واضح ہے۔ رہا کسی فقیہ یا عالم وامام کی تقلید کا واجب ہونا تو یہ مقلدین کی شریعت سازی ہے جو انہیں مبارک ہو۔ قرآن وحدیث میں اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں اور ہر امتی کی بات میں خطاء وصواب کا احتمال موجود رہتا ہے۔ اس لئے واجب وہی ہے جو اللہ نے واجب کیا ہے۔

ائمہ کے نام کا غلط استعمال

اس فرقہ بندی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

عبدالمنعم صاحب کو بغیر حوالہ اور ثبوت کے لکھنے کی عادت ہے اس لئے ان کی کسی بات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ تقلید ائمہ پر اجماع کا دعویٰ تو کر گئے مگر ثبوت نہیں پیش کر سکے۔ اس کے بعد انہوں نے صحابہ

،تابعین، تبع تابعین اور علماء وفقہاء کے آپسی اختلافات کا ذکر کیا ہے اور بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر ائمہ کی فقہ میں اختلاف ہے تو کیا ہوا۔ صحابہ میں تابعین وغیرہ میں بھی اختلاف تھا۔ پھر ائمہ کے اختلاف کو کیوں اچھالا جا رہا ہے؟

مزید لکھتے ہیں کیا ائمہ کرام نے قرآن وسنت کے احکام کو اپنی رائے سے بدل دیا؟ یہی سب سے بڑا اعتراض ائمہ کرام کی فقہ پر کر کے امت کو اُن کی فقہ سے برگشتہ کیا جاتا ہے بلکہ اُسے حربہ بنایا گیا۔ ص:۱۹

کاش! موصوف نے حوالہ دیا ہوتا کہ یہ اعتراض کس کا ہے کس نے کیا ہے؟ اعتراض کسی کا انفرادی ہے؟ یا کسی جماعت وجمعیت کا ہے؟ یا خود موصوف کا خود ساختہ ہے؟ مگر حوالے اس لئے نہیں لکھے جاتے کہ کوئی تحقیق نہ کرنے لگے اور تحقیق کر کے تقلیدی حصار سے نکل نہ جائے یا موصوف کا جھوٹ دن کے اُجالے میں نہ آجائے۔ وہ اس طرح کے غیر ذمہ دارانہ باتوں کے عادی ہیں۔

آیئے تھوڑی باتیں ہم بھی عرض کریں۔ صحابہ کرام میں اختلافات تھے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ بعض بعض مسائل میں شدید اختلافات بھی تھے۔ تابعین میں بھی ایسا ہی تھا ائمہ اور فقہاء بلکہ عام علماء میں بھی اختلافات تھے اور ہیں اس کا کوئی بھی اہل علم انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ائمہ کے نام پر جو فرقہ پرستی اور تعصب کا مظاہر کیا گیا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچی گئی۔ مذہب کو چار خانوں میں بانٹ دیا گیا۔ ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کی بارش کی گئی۔ بادشاہوں کے دربار میں مسلک کو رائج کرنے کے لئے جو رسہ کشی اُٹھک پٹک ہوئی۔ خانۂ کعبہ میں ائمہ کے اختلاف نے چار مصلے بچھوائے۔ کیا صحابہ وتابعین کے اختلافات نے بھی یہ گُل کھلائے ہیں؟ کہاں صحابہ وتابعین کا اختلاف اور کہاں ائمہ کا اختلاف۔ تاہم اس میں ائمہ کا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب بعد کے مقلدین کی کارستانی ہے اور سنت پر اجماع کے برخلاف فقہ ائمہ اربعہ پر اجماع کا دعویٰ کر کے اُسے زبردستی مسلمانوں پر تھوپا جا رہا ہے۔ مسلکی تعصب کے عنوان پر دستیاب کتابوں میں ساری حقیقت موجود ہے۔ حدیث وسنت کے مقابلے میں فقہ ائمہ پر اجماع کا شوشہ صحابہ وتابعین اور امت مسلمہ کے اجماع سے خروج کی کوشش ہے۔ قرونِ ثلاثہ میں جو اسلام مسلمانوں کی ہدایت ونجات کے لئے کافی تھا وہ آج بھی بلکہ قیامت تک مسلمانوں کے لئے کافی ہوگا۔

دین نبی ﷺ کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا۔ہم اس دین کے متبع و پیروکار ہیں۔آپ کے بقول جو دین فقہاء کی موشگافیوں کامحتاج تھا وہ آپ کو مبارک ہو۔ نبی ﷺ پر ناقص دین چھوڑنے کا الزام آپ ہی لگا سکتے ہیں۔اختلاف کے وقت بھی قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم اسی لئے ہے کہ قرآن وحدیث میں سب کچھ موجود ہے۔

مسئلہ فاتحہ خلف الامام''یہ بھی صحیح وہ بھی صحیح ہے؟

عبدالمنعم صاحب سلسلۂ کلام کو بڑھاتے ہوئے ہوئے لکھتے ہیں۔

کیا ائمہ کرام نے قرآن وسنت کے احکام کو اپنی رائے سے بدل دیا؟

یہی سب سے بڑا اعتراض ائمہ کرام کی فقہ پر کرکے امت کوان کی فقہ سے برگشتہ کیا جاتا ہے بلکہ اُسے حربہ بنالیا گیا ہے۔ص:۱۹

اور پھر فاتحہ خلف الامام کی بحث چھیڑی ہے۔لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے قرآن وحدیث دونوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا۔قرآن میں ہے''فاقرؤا ما تیسر من القرآن''یعنی قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو وہ پڑھو،اورحدیث شریف میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ص:۲۰

اب سوال یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا حرام کیوں کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کا حکم یہی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ جب قرآن پڑھا جائے اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش بھی رہو۔ص:۲۰

سرّی نمازوں میں سورہ فاتحہ سے منع کرنے کی دلیل:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من كان له الإمام فقرأة الإمام قرأة له''جس کا امام ہو یعنی جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہوگی۔ص:۲۱

عبدالمنعم صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث دونوں کو سامنے رکھ کر

یہ فیصلہ کیا ہے۔ہمیں ائمہ سے کوئی بغض وکینہ نہیں ہے مگر دلائل کے اعتبار سے کس امام کا مسئلہ راجح ہے ہم اُسے اختیار کرتے ہیں آیئے پہلے قرآن کریم کی آیتِ کریمہ کو سمجھیں کیونکہ اسے عبدالمنعم صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بات اور انتساب بغیر حوالہ اور ثبوت کے ہے۔

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ○﴾ (الأعراف:۲۰۴-۲۰۵)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ۔اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

دونوں آیتیں ایک ساتھ پڑھیئے تو سمجھ میں آتا ہے کہ پہلی آیت میں قرأت قرآن کے وقت سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے مگر دوسری آیت میں خاموشی کے ساتھ دل ہی دل میں پڑھ لینے کا حکم موجود ہے۔

تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''واذکر ربک في نفسک تضرعاً و خفیة'' هذا في المكتوبة۔

یعنی یہ آیت جس میں حکم ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو یہ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کا حکم ہے نہ کہ ممانعت کا۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی مطبوعہ مصر،ص:۱۷۷ میں ہے أمر للمأموم بالقرأة سراً بعد فراغ الإمام عن قرأته یعنی آیت واذکر ربک.....میں مقتدی کو امام کے پیچھے دل ہی دل میں قرأت پڑھ لینے کا حکم ہے۔

یہ ہے قرآن کی تعلیم ،مگر ادھوری بات نقل کردینے سے مطلب کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔امام ابوحنیفہ کی

طرف عبدالمنعم نے بغیر حوالہ کے جو منسوب کیا ہے اس کی حقیقت تو وہی جانیں مگر یہ دونوں آیتیں تو کچھ اور کہتی ہیں۔ یہ تو جہری نمازوں کا حکم تھا۔ سری نمازوں میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ منع فاتحہ خلف الامام پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

''من كان له الإمام فقرأة الإمام قرأة له '' عبدالمنعم صاحب نے اس کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا ہے لیکن یہ حدیث، حدیث جابر سے مشہور ہے۔ ''شرح معاني الآثار للطحاوي'' اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔ مگر یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اور اس حدیث کے تمام طرق معلول اور غیر ثابت شدہ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واستدل من اسقطها عن المأموم مطلقاً كالحنفية بحديث من صلى خلف الإما فقرأة الإمام له قرأة. لكنه ضعيف عند الحفاظ.

جن لوگوں نے مقتدی سے قرآت خلف الإمام کو مطلقاً ساقط کہا ہے، جیسے حنفیہ ان کا.... استدلال حدیث ''من کان لہ إمام'' سے ہے۔ لیکن یہ حدیث حفاظ کے نزدیک ضعیف ہے۔ (فتح الباری، ج ۲/، ص: ۳۰۸)

تلخیص الحبیر میں ہے کہ **من كان له إمام فقرأة الإمام له قرأة مشهور من حديث جابر وله طرق عن جماعة من الصحابة و كلها معلولة** یعنی حدیث ''من کان لہ إمام'' جابر کے طریق سے مشہور ہے اور صحابہ کی ایک جماعت سے اس حدیث کے متعدد طرق ہیں اور سب کے سب معلول ہیں۔ ص: ۸۷

اس حدیث کی سند میں جابر جعفی ہے جو حدیثوں کو گڑھ لیا کرتا تھا۔ اس بنا پر یہ حدیث نا قابل اعتبار ہے۔ جابر جعفی کے بارے میں امام ابوحنیفہ خود لکھتے ہیں۔ جن لوگوں سے میں نے ملاقات کی ہے اس میں عطاء سے زیادہ بہتر اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب بھی جابر جعفی سے میں نے کوئی بات اپنی رائے سے بیان کی تو اس کے بارے میں مجھے حدیث لا کے دے دی (نصب الرأية، ص: ۲۴۸)

علامہ سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں ''في سنده جابر الجعفي كذاب'' ابن ماجہ سندھی، ج/۱،ص:۲۸۰۔

اوراس کے آگے لکھتے ہیں ''والحديث مخالف لما رواه الستة من حديث عبادة ، صاحب درایہ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔درایۃ ج/۱،ص:۱۲۰۔

حنفیہ منع قرأت خلف الإمام پر بارہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔جوسب کے سب ضعیف یا موضوع اور نا قابل استدلال ہیں۔

عبدالمنعم بڑے فخر یہ انداز میں لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ثابت ہوگئی کہ ائمہ کرام نے ایسی تشریح کی کہ قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہوا نہ یہ چھوڑا نہ وہ چھوڑنا۔ص:۳۱

پڑھنے والے خود ہی اندازہ لگالیں کہ حقیقت کیا ہے اور عبدالمنعم آپ کو کہاں گھمار ہے ہیں۔اور ائمہ کے نام پر آپ کو قرآن وحدیث سے جوڑ رہے ہیں یا قرآن وحدیث سے آپ کا رشتہ توڑ رہے ہیں یہ آپ خود سمجھیں۔

مزید لکھتے ہیں۔اب سوال امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے بارے میں ہوگا۔امام شافعی ہر شخص کو ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کیوں کہتے ہیں۔کیا ان کی ان آیات وحدیث پر نظر نہیں پڑی۔ص:۳۱

دلیل دینے کے بجائے حنفیت سے مرعوب ہوکر کہتے ہیں اگر تمام آیات واحادیث پر اُن کی نگاہ نہ ہوتی تو امام نہ بنتے۔ص:۲۱

امام شافعی رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث کی رو سے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیا اور جہری نماز میں یہ حل نکالا کہ امام سورہ فاتحہ کے بعد کچھ دیر خاموش رہے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔(مفہوم) ص:۲۱

جس طرح حنفیہ کی بات کو مدلل اور دلنشیں پیرائے میں پیش کیا ہے۔اس طرح امام شافعی رحمہ اللہ کی بات کو مدلل اور مبرہن نہیں کیا۔حالانکہ ''كتاب الأم'' میں امام شافعی رحمہ اللہ نے دو صحیح روایتیں نقل کی ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن نے ''تحفة الباري في فقه الشافعي ''میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کے وجوب پر کئی حدیثیں نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ہی اپنے جی میں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ بہت سی حدیثیں اور آثار لکھنے کے بعد صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (تحفۃ الأحوذي شرح ترمذي، ج ۲/، ص: ۲۲۶ تا ۲۵۳) تحقیق الکلام (اردو) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری،، '' مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ لعبید اللہ مبارکپوری'' وغیرہ۔

شیخ الحدیث صاحب نے تین اہل حدیث کتابوں کا حوالہ دے کر شافعیوں کو مشورہ دیا ہے امام شافعی اور اہل حدیث دونوں کا اس مسئلے میں توافق و یکسانیت ہے جیسے تفصیلی معلومات کی ضرورت ہو۔ وہ اہل حدیث علماء کی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

حدیث و آثار سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام امام کے پیچھے سورہ فاتحہ جی ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ کچھ تابعی امام کے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی لئے امام کو ہر ایک آیت کو الگ الگ سانسوں میں پڑھنی چاہئے۔ تاکہ مقتدی سننے کے بعد پڑھ بھی سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جہری نماز میں امام سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے گا تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ کسی نص سے ثابت ہے یا امام شافعی رحمہ اللہ کا اجتہاد ہے اگر ان کا یہ اجتہاد ہے تو اس کا حوالہ کیا ہے۔

انہوں نے کہاں لکھا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ امام مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا موقع دے گا اس وقت وہ بالکل خاموش کھڑا رہے گا یا کچھ پڑھے گا اگر خاموش رہے گا تو اس کا ذہن ادھر اُدھر بھٹکے گا۔ اور اگر پڑھے گا تو کیا پڑھے گا؟ عبدالمنعم صاحب ان باتوں کی وضاحت فرمائیں۔

حاصل کلام یہ کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ وہ فرض ہو، سنت ہو نفل ہ، امام ہو، منفرد ہو، یا مقتدی ہو، مرد ہو یا عورت۔ یہی تعلیم ہے قرآن وحدیث کی اور یہی مسلک ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ جسے آپ نے انصاف سے عوام کے سامنے نہیں رکھا۔ یہ بھی صحیح ہے وہ بھی صحیح۔ گول مول بات کر کے، عوام کو تھپکیاں

دے کر سلانے کی کوشش کی ہے۔ ایک ہی مسئلہ میں یہ بھی صحیح اور وہ بھی صحیح کا فیصلہ درست نہیں۔

اگر قرآن وحدیث سے ایک ہی مسئلے کی کئی شکلیں ثابت ہیں تو ہر ایک پر عمل کرنا درست ہے جیسے نمازِ وتر تین رکعت ایک سلام اور دو سلام سے دونوں صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آدمی اس پر عمل کرے کبھی اس پر عمل کرے۔ یا نماز وتر پڑھنے کے کئی طریقے حدیث میں موجود ہیں۔ آدمی اپنی سہولت کے اعتبار سے کسی پر بھی عمل کرسکتا ہے۔ مگر جس مسئلے میں صحیح حدیث کے بالمقابل ضعیف اور موضوع حدیث ملے۔ وہاں صرف صحیح پر عمل کرنا درست ہے۔ یہ بھی صحیح وہ بھی صحیح کہنا درست نہیں۔ یا یہ کہنا کہ یہ عمل ہمارے لئے اور وہ عمل تمہارے لئے ہے۔ یہ بٹوارہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ کبھی دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ایک صحیح دوسری ضعیف، کبھی دو مسئلے سامنے آتے ہیں، ایک راجح دوسرا مرجوح۔ تطبیق وتعامل کی شکلیں ہیں لیکن عبدالمنعم صاحب کی بندر بانٹ کچھ اور ہی ہے۔ واللہ یھدي من یشاء إلی سواء السبیل.

سلفیت کا مختصر تعارف

عبدالمنعم صاحب نے سلفیت کے نام سے بتیس (۳۲) صفحات پر مشتمل لکھی مگر کہیں بھی سلفیت کا تعارف نہیں کرایا۔ ص:۲۱ پر آنے کے بعد ''سلفیت اور ہم مسلمانوں کے بے خبری'' کے عنوان سے کچھ باتیں تحریر فرمائی ہیں۔ جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے تمام باتیں اتہام اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔ میں ہر ایک بات کا جائزہ لوں گا۔ پہلے یہ بتادوں کہ سلفیت کیا ہے؟

سلف کا لغوی معنیٰ:

گزرے ہوئے لوگ۔ یعنی آباء، اجداد، قرابت دار وغیرہ (القاموس المحیط، ج ۳/ص:۱۵۸)

اصطلاح شرع میں لفظ سلف کا اطلاق خیر القرون یعنی نبی کریم ﷺ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ عنہم پر ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''خیر الناس قرني ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' (صحیح البخاری:۳۶۵)

سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے۔

علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''ولھٰذا سمي الصدر الأول من التابعين السلف الصالح ''(النهاية في غريب الأثر:۲/۳۹۰)

اس لئے صدر اول کے تابعین وغیرہ کو سلفِ صالحین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

جان لینا چاہئے کہ صریح وسلیم عقل اور صحیح شرعی دلیل میں سرے سے کوئی ایسی چیز ہو ہی نہیں سکتی جو راہِ سلفیت کی مخالفت کی موجب ہو۔ (مجموع الفتاویٰ ۲۸/۵)۔

امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ نے سلف کے اس منہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:'' لن يصلح آخر هذه الأمة إلا ما صلح أولها''۔

اس امت کے آخر کی بھی اصلاح اس منہج سے ہوسکتی ہے جس سے اس کے اول کی ہوئی تھی (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ)

علامہ مقبل بن ہادی الوادعی الیمانی رحمہ اللہ سلفیت اور اس کے التزام کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سلفیت کوئی لباس نہیں ہے جسے انسان حسبِ منشاء زیب تن کرلے اور جب چاہے نکال پھینکے بلکہ سلفیت، سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پابندی کا نام ہے۔ اور سلفی وہ نہیں ہے جس کے پاس انتخابات ہوں، دوستی اور دشمنی کا تنگ اور محدود پیمانہ ہو اور علماء سے محض نفرت دلاتا پھرے، سلفی نہ اپنے اہل سنت بھائیوں پر حملہ کرتا ہے اور نہ اس کی ردائے اتحاد ہی چاک کرتا ہے۔ (تحفة المجيب علىٰ أسئلة الحاضر و الغريب (۱/۱۴۹) بحوالہ سلفیت، ص:۹)

ان حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ سلفی منہج کی دعوت شخصیت پرستی کی دعوت نہیں ہے۔ بلکہ سلفی کی نسبت سلف صالحین کی طرف ہے یعنی سلف صالحین کے متبعین کو سلفی کہا جاتا ہے جو تقلید شخصی کے بالکل منافی ہے۔ تقلید شخصی میں ہر فرقہ نصوص شرع کی من مانی تشریح کرتا ہے کیونکہ اسے ہر مسئلے میں اپنے امام کے مسئلے کی ترجیح ثابت کرنی ہے۔ اور کتاب وسنت سے اس کا توافق ہونا بھی۔ جیسا کہ آپ نے پڑھا عبد

المنعم صاحب نے فقہاء کو اس قدر بڑھایا کہ اُن کی شان میں قرآنی آیت پیش کردی۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾۔

ان بھانت بھانت کی بولیوں، باطل دعووں اور گمراہ کن باتوں سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ خیر القرون کے منہج کی پیروی کی جائے۔ اسی کو سلفیت اور سلفی منہج کہتے ہیں اور انہیں سلفی کہا جاتا ہے۔

۱- جو کتاب وسنت کے فہم میں صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج کی طرف منسوب ہوئے۔

۲- جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحیح ثابت شدہ مرفوع روایات کو اپنایا۔

۳- اور عقلی موشگافیوں اور خود ساختہ بندشوں کو قبول نہیں کیا۔

ہم سلف صالحین کے پیرو - واقف، اقدارِ سلفیت سے ہیں
وہ سلف کا مقام کیا جانیں - جو جُڑے ایک شخصیت سے ہیں

عبدالمنعم صاحب کی تاریخ سازی

عبدالمنعم صاحب فرماتے ہیں:

ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال پہلے اہل حدث نامی کوئی جماعت نہیں تھی۔ یہ انگریزوں کی ایجاد ہے۔ وہ کیسے؟

پھر موصوف تین طبقات کی نشاندہی کرتے ہیں:

۱- بریلوی علماء کو تنسیخ جہاد کے لئے۔ ۲- غلام احمد قادیانی کو مدعیٔ نبوت کے لئے۔

۳- دو شیعہ، عبدالحق بنارسی اور عبداللہ صفی پوری کو ترکِ تقلید کی تشہیر کیلئے۔ انگریزوں نے خرید لیا۔

موصوف کی یہ تاریخ سازی انہیں مبارک ہو، اتنا غیر ذمہ دار عالم آپ کو مشکل سے ملے گا۔ باتیں بڑی بڑی اور حوالہ کسی ایک کا نہیں۔ یہ شرعی باتیں نہیں ہیں کہ اس پر قرآن وحدیث کے حوالے پیش کئے جائیں۔ مگر تاریخی باتوں کے لئے بھی تو تاریخ کا حوالہ چاہئے۔ آیئے ہندوستان میں اہل حدیث کی تاریخ دیکھیے۔

ویسے تو صحابۂ کرام کی آمد ۱۵ھ میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ بعد میں محمد بن قاسم سندھ میں ۹۳ھ میں آئے یہ وہ زمانہ تھا جب تقلید مذاہب کا ظہور نہیں ہوا تھا۔

ابوالحسن علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

جنوبی ہند کے ساحلی شہروں، ساحلی علاقوں اور ساحلی صوبوں میں حدیث کو ماننے والے حدیث پر عمل کرنے والے اور حدیث وسنت کا اعتقاد رکھنے والے اور سلفِ صالحین کے عقائد کو تسلیم کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

علامہ مقدسی نے ۳۷۵ھ میں سندھ کی سیاحت کی تھی وہ لکھتے ہیں:

منصورہ کے لوگ عموماً متقی اور ذہین ہیں۔ دل سے اسلام کا احترام کرتے ہیں اور سختی سے اسلام کے احکام وفرائین پر عمل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اہل حدیث افراد پر مشتمل ہے۔ بعض مقامی آبادیوں میں حنفی بھی موجود ہیں لیکن شافعی، مالکی، حنبلی یا اور نقطۂ نظر رکھنے والے مسلمانوں کا کہیں وجود نہیں۔ منصورہ علم اور علماء کا بڑا قدر دان ہے۔ اس لئے کہ اہل حدیثوں کی اکثریت ہے۔ اسی وجہ سے علمِ حدیث کو یہاں بہت فروغ حاصل ہے۔ (الأنساب مقدسی، ص: ۴۸۰، عرب وہند کے تعلقات)

عبدالمنعم کی گپ اور فراڈ کے لئے یہ تاریخی حوالہ کافی ہے۔

بقیہ جو باتیں ہیں انہیں اسی میزان پر تول لیجئے۔ ان کے پاس کسی بات کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے لندن میں عرصۂ دراز سے رہائش کی وجہ سے انہیں بھی انگریزوں نے خرید رکھا ہو اور کوکن میں افتراق بین المسلمین کا کام لے رہا ہو۔ کیونکہ کوکن کے دوسرے علماء خاموشی اور سنجیدگی سے اپنے اپنے منہج پر عمل پیرا اور قائم ہیں۔ ٹانگیں کھینچنے اور عوام میں غلط فہمیوں کو پروان چڑھانے اور انہیں لڑانے کا کام صرف موصوف ہی انجام دے رہے ہیں۔

آپ کو تاریخ پڑھنے کا مشورہ دینے والے خود تاریخ نہیں پڑھتے اگر وہ تاریخ پڑھیں گے تو یہ حقیقت ان پر ضرور منکشف ہوگی کہ دیوبندی جماعت بریلوی جماعت، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جمیعۃ العلماء اور خود دارالعلوم دیوبند کا قیام اور اس کے قائم کرنے والے کون تھے؟ یہ ساری جماعتیں انگریز ہی

کے دور میں وجود میں آئی ہیں۔کیا یہ سب انگریزوں کی پالیسی کا نتیجہ ہے؟

﴿وَلاَ یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (المائدۃ:۸)

مولانا محمد حسین بٹالوی پر اتہامات

عبدالمنعم صاحب نے جیسے تمام تر باتیں بغیر حوالہ اور دلیل کے پیش کی ہیں۔ایسے ہی مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق بھی کذب واتہام سے کام لیا ہے؟

اشاعۃ السنۃ کے حوالے سے جو بات لکھی گئی ہے وہ سیاق وسباق سے کاٹ کر لکھی گئی ہے۔اور موصوف کو اِن باتوں کا تفصیلی جواب ۲۰۰۶ء میں دیا جا چکا ہے۔ میں اس کو نقل کر دیتا ہوں کیونکہ اعتراض بھی وہی ہے۔وہ مانیں یہ نہ مانیں،عوام میں بیداری ہے وہ تحقیق میں لگے ہوئے ہیں۔

''چند باتیں'' کے مؤلف نے بعنوان''مولانا بٹالوی کے متعلق دو باتوں کی وضاحت'' لکھا۔

کسی بھی اہل حدیث عالم کے قول یا رائے سے اصولی اعتبار سے جماعت اہل حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔کیونکہ جماعت اہل حدیث مسائل دین کے اخذ وقبول میں شخصیت کے بجائے دلائل وبراہین کو دیکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ جماعت تقلید اور کورانہ چشمی سے پاک ہے۔ہمارے علامہ نے جس طرح سے بے شمار بے بنیاد باتیں سپرد قلم کی ہیں اسی طرح کچھ باتیں بغیر کسی دلیل وثبوت کے محمد حسین بٹالوی کے متعلق بھی تحریر فرماتے ہیں۔

''اور ماضی میں مولانا بٹالوی صاحب نے اپنے رسالہ''اشاعۃ السنۃ'' کے ذریعہ جمعیت اہل حدیث کی پچیس سال تک خدمت کی۔مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کی بھی خوب حمایت کی۔اور انگریزوں کی حمایت میں کتاب لکھی اور انگریزوں نے انہیں جاگیر سے نوازا۔

علامہ صاحب نے اس میں دو دعوے کئے ہیں:

۱-مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی نبوت کی حمایت ۲-انگریزوں کی حمایت

آیئے پہلے دعوے کا سراغ لگائیں اور دیکھیں کہ آخر حقیقت کیا ہے؟ جب آپ تحقیق کی وادی میں

قدم رکھیں گے تو دیکھیں گے کہ مرزا غلام احمد ایک زبردست حنفی عالم اور مناظر کی حیثیت سے دکھائی دیتا ہے۔۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء براہین احمدیہ لکھی اور چھاپ کر اہل علم کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔لیکن ۱۸۸۸ء میں پیری مریدی اور بیعت کا کاروبار شروع کر کے اپنی سابقہ روش سے انحراف واعراض کی راہ اپناتا ہے۔لدھیانہ سے لے کر دیوبند تک کے لوگ بیعت میں داخل ہوتے ہیں۔قادیان میں مسجد مبارک میں لوگ بیعت کے لئے پہنچتے ہیں۔لیکن ۱۸۹۱ء کے شروع میں وفاتِ مسیح کا عقیدہ گڑھ کر مثیل مسیح یا مسیحیت ومہدویت کا دعویٰ کیا۔

۱۹۰۱ء میں ختم نبوت کی تشریح میں تحریف معنوی کر کے ظلی ، بروزی، غیر تشریعی وامتی نبی ورسول ہونے کا دعویٰ کیا (سیرت المہدی)۔تلخیص از حنفیت ومرزائیت، ص:۲۱۔

اس سے اور سابقہ حوالجات سے ثابت ہوا کہ ۱۸۸۸ء میں مرزا نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا۔پھر ۱۸۹۱ء میں اس کے دماغ میں فتور آیا اور اس نے کسی نہ کسی نوعیت سے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور علمائے لدھیانہ سامنے آنے کو تیار نہیں تھے۔اور ان کے پیر ومرشد، رشید احمد گنگوہی بھی انہیں مناظرہ سے روک چکے تھے،تو یہی محمد حسین بٹالوی لدھیانہ پہنچے اور جولائی ۱۸۹۱ء میں بارہ دن تک مناظرہ کر کے مرزا کو شکست سے دوچار کیا۔

مرزا کے دعوائے نبوت کے اوائل ہی میں جب کوئی بھی عالم سامنے آنے کو تیار نہ تھا محمد حسین بٹالوی نے اس سے مناظرہ کیا۔اور اس کی قلعی کھول دی۔سوال یہ ہے کہ مرزا کی نبوت کی حمایت کا زمانہ کون سا ہے کاش ہمارے علامہ اس پر کوئی ثبوت تو پیش فرمائیں۔کیا واقعی علامہ کے دل میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف نہیں ہے جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔بغیر دلیل اور بغیر حوالہ کے لکھنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ جھوٹ بول بول کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے رہو۔اور انہیں اندھیرے میں بھٹکتے رہنے پر مجبور کر رکھو۔

دوسرا دعویٰ انگریزوں کی حمایت کا ہے اسے بھی سمجھنے کے لئے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں تنسیخ جہاد اور انگریزوں کی حمایت کا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔مگر مختصراً عرض ہے کہ ۱۸۴۱ء میں محمد حسین بٹالوی پیدا ہوئے اور ان کی ولادت سے کم از کم بارہ سال پہلے جہاد کے جواز اور عدم جواز

کی بحث شروع کر کے میر محبوب علی جہاد کی مخالفت کر چکے تھے۔ عدم فرضیت جہاد، مجاہدین سے عدم تعاون، انگریزوں کی حمایت اور وفاداری کے ضمن میں جن افراد کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔ مولانا میر محبو بعلی دہلوی، مولانا مملوک علی، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد منیر، مولانا محمد احسن نانوتوی، خواجہ سلیمان نانوتوی، حاجی امداداللہ، حافظ ضامن، مولانا رجب علی، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا شیخ ضیاء الدین، شمس العلوم مولانا ذکاءاللہ شمس العلماء، ڈپٹی نذیر احمد، شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد، پیرزادہ محمد حسین، خواجہ محمد شفیع، میر ناصر علی، مرزا غلام مرتضٰی قادیانی مولانا کریم الدین پانی پتی، مولانا جعفر علی، مولانا سمیع اللہ خاں، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا شیخ محمد تھانوی، مولانا کرامت علی جونپوری، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، مولانا فیض اللہ لکھنوی، مولانا رحمت اللہ لکھنوی، مولانا قطب الدین لکھنوی، مولانا سعید اللہ لکھنوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا لطیف اللہ رامپوری، مولانا غلام علی رامپوری، مولانا عبداللطیف خاں بہادر، مولانا عبداللہ لدھیانوی ودیگر علماء لدھیانہ، مولانا شاہ احمد رضا خاں، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن شیخ الہند، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت بابوجی گولڑی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دیوبند، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا خان بہادر، مولوی عبدالاحد، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دیوبند، لدھیانہ میں شاہ شجاع کی مسجد کا امام، مطبع حسین لکھنو کے مالکان، مولانا اصغر حسین مدیر الرشید دیوبند (منقول از اشاعۃ السنۃ دہلی، ج ۳، شمارہ نمبر ۲)

قارئین! یہ وہ نام ہیں جو انگریز کی حمایت میں لئے جاتے ہیں ان میں تلاش کیجئے تو اہل حدیث عالم صرف مولانا حسین بٹالوی نظر آتے ہیں۔ باقی تمام کے تمام مقلدین ہیں بلکہ ہمارے علامہ کے خیال سے دین اسلام کے اصل خادم اور اہل شرک وبدعت سے برسرپیکار رہنے والی مقدس ہستیاں دیوبندیت کے علمبردار حاجی امداداللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حبیب الرحمٰن، وغیرہ بھی انگریز کی حمایت میں نظر آتے ہیں۔

ہمارے علامہ بتائیں کیا یہ سب یہود ونصاریٰ کی سازش کے شکار تھے؟ اور انگریز کی حمایت کی وجہ سے مولانا بٹالوی اگر مجرم ہیں تو باقی علماء کی شان میں بھی کچھ لب کشائی فرمائیں۔

جماعت اہل حدیث چونکہ شخصیت پرستی کے جراثیم سے پاک ہے۔اس لئے جماعت کا بڑا سے بڑا عالم بھی اپنی لغزش پر تنقید کا نشانہ بنتا ہے۔مولانا بٹالوی کی بھی گرفت کی گئی اوران کی انفرادیت کوواضح کیا گیا تاکہ جماعت اہل حدیث کے بارے میں کسی کو غلط فہمی نہ پیدا ہو۔چنانچہ مولانا اسماعیل سلفی گجرانوالہ لکھتے ہیں:''اہل حدیث کی طرف سے انگریز کی حمایت میں اگر کوئی قابلِ ذکر آواز اٹھی تو وہ مولانا حسین صاحب مرحوم بٹالوی کی تھی۔یقیناً اس رائے میں اکیلے تھے۔ یہ اُن کی شخصی رائے تھی۔پورے ملک (متحدہ ہند) میں کوئی قابل ذکر اس نظریئے میں ان کے ساتھ نہ تھا بلکہ عین اس وقت جب کہ مولانا اپنے رسالے میں انگریز کی حمایت فرمارہے تھے۔ ہندوستان اور پنجاب میں اکابر جماعت سید احمد شہید کی تحریک کے کامیاب بنانے میں سرگرم عمل تھے۔کیا کسی غزنوی اور لکھوی خاندان یا صادق پوری اور رحیم آبادی اور قصوری اکابر نے مولانا بٹالوی کی کبھی حمایت فرمائی؟ اسے جماعتی فعل تصور کرنا واقعات پر ظلم ہے۔(ماہنامہ رحیق لاہور، ص:۱۰۵، ۱۰۶/ اکتوبر ۱۹۵۷ء) تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف، ص:۷۸)

مولانا بٹالوی نے انگریز کی حمایت کی جسے خود جماعت اہل حدیث نے پسند نہیں کیا یہ ان کے اپنی انفرادی بات تھی جس سے جماعت کو متہم کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔لیکن جو لوگ مولانا بٹالوی کو مجرم ٹھہرانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں انہیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔کہ اسی طرح علماء کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے انگریز کی حمایت کی تھی، اگر بٹالوی مجرم ہیں تو ہمارے علامہ جیسے لوگ ان انچاس ناموں کے بارے میں بھی کچھ لب کشائی فرمائیں اور اپنی حق گوئی اور حق کوشی کا ثبوت فراہم کریں۔

مؤلف کتاب ''چند باتیں'' نے ایک عنوان قائم کیا۔''مولانا بٹالوی مسلکِ محدثین پر اخیر عمر تک قائم رہے'' اور لکھا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی جماعت اہل حدیث کے ایک سرگرم اور فعال عالم تھے اگرچہ انہوں نے جماعت کے عام علماء سے ہٹ کر انگریز کی حمایت کرنے والے علماء میں بھی اپنے آپ کو شامل کر رکھا تھا یہ اُن کی اپنی رائے اور صوابدید کے مطابق رہا ہوگا۔مگر اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ وہ عمر بھر مسلک

محد ثین کی نشر و اشاعت اور تقلید کی برائیوں کو اجاگر کرنے میں لگے رہے کیونکہ انگریزوں کی حمایت کا تعلق جماعت سے نہیں تھا۔

لیکن ہمارے علامہ کچھ اور ہی تاثر دینا چاہتے ہیں پڑھیئے'' اور بٹالوی صاحب کی آنکھ کھلی تو یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ...... پچیس سال کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق تقلید کو ترک کرتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر وارتداد اور فسق و فجور کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت ہیں لیکن دینداروں کے بے دین ہونے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید اس کا بھاری سبب ہے۔ اہل حدیث گروہ میں جو بے علم اور کم علم ہو کر مطلق تقلید کے ترک کے مدعی ہیں۔ وہ ان نتائج سے ڈریں اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار بن جاتے ہیں۔ (خیر التنقید، ص:٦)

ہمارے علامہ نے اس کو'' خیر التنقید'' نامی کتاب سے اپنی کتاب کے ص:۷۷ پر نقل فرمایا ہے۔ غنیمت ہیکہ کسی کتاب کا حوالہ تو ہے۔ مگر مذکورہ عبارت جو مولانا بٹالوی کی طرف منسوب ہے اس میں کافی خیانت سے کام لیا گیا ہے اور سیاق وسباق سے کاٹ کر محض عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر آپ اس کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب چاہتے ہیں تو'' صراط مستقیم اور اختلافِ امت'' ص:۳۵ تا ۵۰ کا مطالعہ فرمائیں۔ مولانا ابو حبیب محمد داؤد ارشد نے اپنی کتاب تحفۂ حنفیہ'' میں ص:۵۱۵ تا ۵۱۸ اسی الزام کا دفاع کیا ہے۔ مگر ہٹ دھرمی کی حد ہے کہ مقلدین اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ نہ ہی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

مختصر اًعرض ہے کہ مولانا بٹالوی کی وفات ۱۹۲۰ء میں ہوئی اور مذکورہ تحریر ۱۸۸۸ء کی ہے یعنی اس تحریر کے بعد بھی مولانا ۳۲ سال زندہ رہے۔

مسلک محد ثین کی نشر و اشاعت اور در تقلید کے موضوعات سے پُر مضامین پر اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں۔

مذکورہ اقتباس کانٹ چھانٹ اور بددیانتی کی منہ بولتی تصویر ہے اصل قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مولانا بٹالوی کو لکھا۔

موجودہ تورات وانجیل مسلمانوں کے لئے ویسے ہی واجب العمل ہیں جیسا کہ قرآن حکیم ۔ اور مسلمانوں کو اس قید کو کہ عمل صرف قرآن وحدیث اور اسلامی کتب پر چاہئے توڑ کر ترکِ تقلید واجتہاد کو ایسی وسعت دیں کہ اس میں قرآن وحدیث کی پابندی نہ رہے (اشاعۃ السنۃ، ص:۵۲، ج/۱۱، ش:۱۸۸۸ء) صراط مستقیم اوراختلاف امت، ص:۳۵۔

مولانا بٹالوی نے اس مراسلہ کا تفصیلی جواب دیا ہے جو دو سو پچاس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے اول اور آخر میں مولانا بٹالوی نے مراسلہ نگار جیسے آزاد خیالوں کے بارے میں بات کی ہے۔ جو ترک تقلید کے مدعی ہیں۔ مگر ہمارے علامہ اوران جیسے لوگوں نے اسے اہل حدیث پر چسپاں کر دیا ہے۔

مولانا بٹالوی کی تحریر اور مؤلف کتاب مذکورہ کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

''اس مقام پر ہم سے اس قدر بیان کرنے سے رہا نہیں جاتا کہ اس قسم کے اجتہادات وخیالات بے قید وآزاد جو اس مراسلات میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس ترک تقلید کا نتیجہ ہے جو باوجود لاعلمی اور نافہمی کے وقوع میں آتی ہے۔ اور بے علموں یا نہایت کم علموں بہ مصداق ''نیم ملا خطرۂ ایمان'' سے سرزد ہوتی ہے۔ عبارت میں مولانا بٹالوی کا روئے سخن ظاہر ہے کہ اہل حدیث کی طرف نہیں ہے۔ اہل حدیث تو ترک تقلید کی دعوت قرآن وحدیث کی بالادستی کے لئے دیتے ہیں۔ نہ کہ سرے سے ان کی حجیت ہی کے انکار کے لئے۔ جیسا کہ مذکورہ مراسلہ نگار نے ایسی ہی گمراہی کا مشورہ دیا تھا۔

صراط مستقیم اوراختلافِ امت، ص:۳۶

ہمارے علامہ نے جو عبارت نقل فرمائی ہے اوراس میں کتر بیونت کا اپنا محبوب شغل جاری رکھا ہے اُسے سمجھنے اور موازنہ کرنے کے لئے ہم بٹالوی کی عبارت اوراس پر تبصرہ کتاب مذکور سے نقل کر رہے ہیں۔

''گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں اور جن مسائل میں وہ قرآن وحدیث سے کچھ علم وخبر نہ رکھتے ہوں اُن میں اجتہاد نہ کریں۔ بے علمی کا علاج سوال اوراہل علم کی پیروی ہے۔ ان کے لئے آزادی اور خود اجتہادی ہرگز جائز نہیں ہے۔ (اشاعۃ السنۃ:۱۸۸۸ء)

بتلائیے، اس میں ترک تقلید کا ماتم کب اور کہاں ہے؟ اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو شخص براہ راست قرآن وحدیث کا علم نہیں رکھتا اُسے چاہئے کہ مستند علماء کرام سے رجوع کرے اور ان سے دینی رہنمائی حاصل کرے خود اجتہاد نہ کرے۔ ایک شخص جاہل مطلق ہونے کے باوجود علماءِ کرام سے دینی رہنمائی حاصل کرنے کو عبث اور فضول سمجھے تو یہ ہے ترک مطلق تقلید جس سے مولانا بٹالوی اہل حدیث حضرات کو ڈرا رہے ہیں ترک تقلید اور چیز ہے اور ترک مطلق تقلید اور چیز۔ ترک تقلید کا تو مولانا بٹالوی نے پرزور اثبات کیا ہے البتہ ترک مطلق تقلید سے ڈرایا ہے اور ترک مطلق تقلید یہ ہے کہ ایک جاہل آدمی قرآن وحدیث کا علم رکھنے والے علماء سے دینی رہنمائی حاصل کرنے کو بھی ضروری نہ سمجھے۔ ایسے شخص سے فی الواقع بجز ضلالت کے کسی اور ثمرے کی توقع نہیں۔

صراط مستقیم اور اختلافِ امت، ص: ۳۷، ۳۸

ہمارے علامہ کی نقل کردہ خط کشیدہ عبارت کا، اوپر نقل کی گئی اشاعۃ السنۃ والی عبارت سے موازنہ کر لیں اور دیکھیں کہ کسی ڈھٹائی کے ساتھ خُرد بُرد اور خیانت سے کام لیا گیا ہے۔ یہی حال اکثر تحریروں کا ہے وہ عبارتوں کی نقل میں عقل کا یا تو استعمال نہیں کرتے۔ یا جان بوجھ کر تحریف وتصحیف کر جاتے ہیں۔ نہ انہوں نے اشاعۃ السنۃ کی فائلیں دیکھی ہیں نہ مولانا بٹالوی کی تحریروں سے واقف ہیں۔ بس ایک دُھن سوار ہے اہل حدیث کو بدنام کرنے، غلط فہمی اور شکوک وشبہات پھیلانے کی۔ جو نہایت سرگرمی اور جانفشانی سے سرانجام دے رہے ہیں۔

تقلید سے خروج پر برہمی

مولانا محمد حسین بٹالوی اخیر عمر تک مسلک محدثین یعنی منہج سلف پر قائم رہے عبدالمنعم صاحب نے ان کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اور یہ باور کرانے کی ناروا کوشش کی ہے کہ انہوں نے سلفیت یا اہل حدیثیت سے توبہ کر لی تھی۔

سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۱۵ کا ترجمہ اور ایک حدیث کا ترجمہ لکھا ہے، مگر حدیث کا حوالہ نہیں ہے۔ اس

مضمون کی حدیث مسند احمد اور جامع الصغیر وغیرہ میں موجود ہے۔مگر جو ترجمہ موصوف نے کیا ہے وہ حدیثیں اس سے میل نہیں کھاتی ہیں۔کاش موصوف اس کا حوالہ بھی فراہم کرتے۔

پھر موصوف نے تین عالموں کا نام لکھا ہے جس میں دو تو الحمدللہ اہل حدیث تھے، مگر سر سید احمد خاں اہل حدیث نہیں تھے، ان کے بہت سے زلات ہیں، جن پر اہل حدیث عالموں نے گرفت کی ہے۔

موصوف نے لکھا کہ سر سید احمد خاں صاحب نے بھی حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین سے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ص:۲۵

مفہوم واضح نہیں ہے سر سید نے شاہ رفیع الدین سے تعلیم حاصل کی تھی، تو کیا ہوا؟ کیا موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک مقلد سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی وہ تقلید سے نکل کر وہابیت پر آ گئے۔ یہ تو کوئی بات نہیں، اگر استاد ہی کی ڈگر پر شاگرد چلتے رہتے تو آج یہ مسلکی جھمیلے ہی نظر نہ آتے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے دارالعلوم دیوبند میں بے شمار اہل حدیث عالموں نے تعلیم حاصل کی ہے لیکن وہ مقلد نہیں تھے۔اہل حدیث تھے۔اساتذہ سے قرآن وحدیث کی تعلیم تو حاصل کی مگر تقلید کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہی رہے۔موجودہ دور میں کتنے ہی مشہور اہل حدیث عالم دین ہیں جو دارالعلوم کی نسبت سے قاسمی لکھتے ہیں مگر وہ اہل حدیث ہی ہیں۔

مثلاً: مولانا تبارک حسین قاسمی، مولانا شوکت علی قاسمی، مولانا جلال الدین قاسمی، اور ابوالعاص وحیدی وغیرہ۔

پھر حسب عادت بلا حوالہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کے والد مرحوم گمراہی کی پہلی منزل وہابیت پھر نیچریت پھر الحاد قطعی کو سمجھتے تھے اور پھر آزاد کا اعتراف کہ ٹھیک ٹھیک مجھے یہ پیش آیا۔ص:۲۶۔

آیئے ہم اس کا جواب مولانا آزاد ہی کی کتاب سے فراہم کریں:

مجھے بھی ان منزلوں سے گزرنا پڑا مگر میں رُکا نہیں، میری پیاس مایوسی پر قانع ہونا نہیں چاہتی تھی۔ بالآخر حیرت انگیزیوں اور سر گشتگیوں کے بہت سے مرحلے طے کرنے کے بعد جو مقام نمودار ہوا۔اس

نے ایک دوسرے ہی عالم میں پہونچا دیا۔ معلوم ہوا کہ اختلاف ونزاع کی انہیں متعارض راہوں اور اوہام وخیالات کی انہیں گہری تاریکیوں کے اندر ایک روشن اور قطعی راہ بھی موجود ہے۔ جو یقین او راعتقاد کی منزلِ مقصود تک چلی گئی ہے۔ اور اگر سکون وطمانینت کے سرچشمے کا سراغ مل سکتا ہے تو وہیں مل سکتا ہے۔ میں نے جو اعتقاد وحقیقت کی جستجو میں کھودیا تھا وہ اسی جستجو کے ہاتھوں پھر واپس مل گیا۔ میری بیماری کی جو علت تھی وہی بالآخر داروئے شفا بھی ثابت ہوئی۔

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ عن الھوی

کما یتداویٔ شارب الخمر بالخمر

البتہ جو عقیدہ کھویا تھا وہ تقلیدی تھا اور جو عقیدہ پایا وہ تحقیقی تھا۔

راہے کہ خضر داشت زسر چشمہٗ دور بود

لب تشنگی زراہ دگر بردہ ایم ما

جب تک موروثی عقائد کے جمود اور تقلیدی ایمان کی چشم بندیوں کی پٹیاں ہماری آنکھوں پر بندھی رہتی ہیں ہم اس راہ کا سراغ نہیں پاسکتے لیکن جوں ہی یہ پٹیاں کھلنے لگتی ہیں۔ صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ راہ نہ تو دور تھی اور نہ کھوئی ہوئی تھی۔ یہ خود ہماری چشم بندی تھی جس نے عین روشنی میں گم کردیا تھا۔

(غبار خاطر، ص:۳۹)

مولانا آزاد کی یہ تحریر عبدالمنعم صاحب کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ ایک متلاشی حق، حق سامنے آجانے پر اُسے ضرور تسلیم کرلیتا ہے۔ مگر جو شر انگیز اور فتنہ جو ہوتا ہے وہ دلائل وبراہین واضح ہوجانے کے بعد بھی اپنی ضد اور اکڑ پر قائم رہتا ہے۔

پھر وہی تقلید کی رٹ

موصوف لکھتے ہیں، اگر آپ یہ سمجھ رہے ہوں کہ صحابہ میں تقلید نہیں ہوتی تھی تو یہ غلط ہے۔ ص:۲۶ اور جو عالم ہیں وہ مجتہد نہیں ہیں۔ لہٰذا عالم وجاہل سبھی تقلید کے محتاج ہیں۔ ص:۲۶

اسی طرح صحابہٗ کرام میں اکثریت قرآن وسنت کے علم سے ناواقف تھی۔ص:۲۶

عبدالمنعم صاحب کی تحریر کے یہ تین تراشے ہیں اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

آپ جو سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہے کیونکہ عبدالمنعم صاحب عقل کل کے مالک ہیں۔صحیح وہ ہوگا جو وہ سمجھیں گے۔آپ کو سمجھنے کا حق نہیں۔بس اُن کی ہاں میں ہاں ملایئے،اگر واقعی عبدالمنعم صاحب ہی کی سمجھ ٹھیک ہے۔تو ذرا وضاحت فرمائیں۔

پہلی بات:-صحابہ کے دور میں کون سی تقلید رائج تھی،کیا ہر ہر گاؤں میں کچھ صحابہ متعین تھے کہ لوگ ان کی تقلید کریں۔اور یہ نبی ﷺ کے حکم سے تھا یا صحابہ نے آپس میں طے کرلیا تھا۔پھر مقلد علماء(مثلاً: شاہ ولی اللہ صاحب ابوالحسن علی میاں وغیرہ)جو لکھتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل کسی ایک عالم کی تقلید یا کسی ایک مذہب کی تعیین کے بغیر حسب ضرورت لوگ کسی بھی معتبر عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے اور عمل کرتے تھے۔اس کی حقیقت کیا ہے اور صحابہ کی تقلید سے آخر تمہارا کیا واسطہ ہے؟تم نے تو چار مجتہد طے کر لئے اور ان کی تقلید کو اپنے اوپر واجب کرلیا۔تمہیں صحابہ سے کیا لینا دینا ہے،یادرکھئے تمہارے طریقے سے صحابہ کا طریقہ مختلف تھا۔

دوسری بات:- جو اندھے ہیں وہ تو بے چارے اندھے ہیں دوسرے کے سہارے کی انہیں ضرورت ہے مگر عبدالمنعم صاحب کا فرمان ہے۔آنکھ والے بھی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر چلیں۔انہیں دیکھنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بڑے شوق سے یہ بھی کہتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں،اور کہتے ہیں:''اولوالامر'' سے مراد علماء ہیں۔﴿**فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ**﴾(النحل:۴۳)اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم(علماء)سے پوچھ لو۔

دوسری طرف یہ مشورہ بھی کہ تم بھی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر رکھو اور اندھوں کی طرح زندگی گزارو۔

لگتا ہے کہ پورا دین اسلام ہی اجتہادی ہے۔مسائلِ منصوصہ میں بھی مجتہد کی تقلید کا حکم لگایا جارہا ہے۔

نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت(قرآن وحدیث)پر چند سال ہی عمل ہو سکا لیکن مجتہدین کے اجتہاد میں وہ جامعیت اور کمال ہے جو ہر زمانے کا ساتھ دے رہا ہے۔اس طرح نبی ﷺ سے زیادہ زیرک

صاحب عز و شرف تو نبی ﷺ کے امتی ہوئے۔ یہ ہیں شرک فی الرسالت کے مرتکب مقلدین، جن کے متعلق حالی نے کہا تھا۔ ؎

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

تیسری بات:۔صحابہ کی اکثریت قرآن وحدیث کے علم سے ناواقف تھی۔استخفافِ حدیث کے لئے صحابہ پر اس طرح کے حملے مقلدین کرتے رہتے ہیں۔انہیں نام لے لے کر غیر فقیہ کہتے ہیں او رتلویح میں عام صحابہ کی کردار کشی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے ''**والباقون کسائر الناس فیهم عدول وغیر عدول**'' (۴۶۵)

(یعنی عدالت اور ثقاہت کا حکم ان کے لئے ہے جو طویل رفاقت میں شہرت رکھتے ہوں) اور باقی صحابہ عام لوگوں کی طرح ہیں۔ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی۔اس طرح مقلدین صحابہ کرام کو مجہول، غیر مفتی، غیر عادل، غیر فقیہ، غیر مجتہد وغیرہ کیوں لکھتے ہیں۔اس کے لئے ''**أصول الشاشی**'' کے ص:۷۷ کے حاشیہ موسوم بہ عمدۃ الحواشی دیکھئے۔

اس **نکتة لترک الحدیث** (یعنی صحابہ کو غیر فقیہ کہہ کر ان کی تحقیر وتوہین نہیں کی گئی بلکہ اس سے ایک نکتہ کی وضاحت مقصود ہے) وہ نکتہ جسے پوشیدہ رکھا گیا تھا وہ نکتہ ترکِ حدیث کا ہے۔

یہ ہے مقلدین کی کارستانی انکارِ حدیث اور وجوب تقلید ثابت کرنے کے لئے۔آیئے آخر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان سن لیجئے۔

''**من کان منکم متناسیا فلیتانس بأصحاب محمد ﷺ فإنهم کانو أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلها تکلفا وأقومها هدیا وأحسنها حالا قوم اختارهم الله لصحبة نبیه وإقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا في آثارهم فإنهم کانوا علی الهدی المستقیم**''۔تم میں سے جسے آئیڈیل بنانا ہو محمد ﷺ کے صحابہ کو آئیڈیل بنائے کیونکہ وہ اس امت کے سب سے نیک دل، سب سے گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے، سب سے سیدھی راہ پر گامزن، اور سب سے عمدہ حالت میں تھے وہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے

نبی ﷺ کی ہمنشینی اور اپنے دین کی دیکھ ریکھ کے لئے منتخب کر لیا تھا، لہٰذا ان کا مقام پہچانو اور اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کرو کیونکہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن تھے۔ بحوالہ سلفیت، ص: ۱۵

یہ ہے صحابہ کا علم اور ان کا مقام مگر مقلدین کی مجبوری ہے کہ تقلید کو واجب ثابت کرنے کے لئے جب وہ ہاتھ پیر مارتے ہیں تو انہیں ہوش نہیں رہتا کہ اس کی زد میں کون کون آرہا ہے۔

موصوف کا دعویٰ ہی باطل اور بے بنیاد ہے

عبدالمنعم صاحب لکھتے ہیں: علماء اہل حدیث/سلفی بتائیں کیا صحابۂ کرام میں اختلاف نہیں تھا۔ لیجئے میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ص: ۲۷

اس دعویٰ کے ثبوت میں موصوف نے چھ (۶) مثالیں پیش کی ہیں سوال یہ ہے کہ یہ دعویٰ کس نے کیا ہے؟ اسے آپ نے کہاں سے نوٹ کیا ہے؟ یا آپ کا خود ساختہ ہے؟ آپ نے علماء اہل حدیث/سلفی سے سوال کیا ہے۔ اس کا جواب تو ایک عام اہل حدیث جو تھوڑا بہت دینی شغف رکھتا ہے وہ بھی دے سکتا ہے۔ کہ صحابۂ کرام میں مسائل میں اختلاف تھا اس کا منکر کوئی نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ اپنے منہ میاں مٹھو بننا چاہتے ہوں اور سمجھتے ہوں کہ ان اختلاف کو ڈھونڈھ نکالنے کا سہرا میرے سر باندھا جائے تو اور بات ہے۔ دیکھئے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب ''اِعلام الموقعین'' جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد صاحب جونا گڑھی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ اور دو جلدوں میں بازار میں دستیاب ہے۔ جلد نمبر اول، ص: ۴۸۲۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عنوان ہے ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے مختلف فیہ مسئلے''

اس کے تحت سترہ (۱۷) مسئلے لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح سلفی کتابوں میں جا بجا یہ مسئلے موجود ہیں۔ صحابہ میں اختلاف تھا یہ تو سو فیصد صحیح ہے۔ مگر اہل حدیث یا سلفی نام کے علماء اس کے منکر ہیں یہ سو فیصد جھوٹ اور اتہام والزام ہے۔ مگر موصوف اپنی غیر ذمہ دارانہ عادت سے مجبور ہیں۔

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ......

محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے

چلئے صحابہ کے اختلاف سے بیزار ہو کر آپ نے کسی غیر نبی یعنی غیر معصوم امتی کا دامن تھام لیا مگر آپ اختلاف سے راہ فرار کہاں تک اختیار کریں گے۔ کیونکہ ایک ہی مسلک کے فقہاء میں بھی تو اختلافات ہیں اور شدید اختلافات ہیں۔

عمل بالحدیث کا راستہ نجات کا راستہ ہے۔ نبی ﷺ کی پیشین گوئی ہے۔ جب تک امت کے ہاتھوں میں قرآن وحدیث ہوگا گمراہی ان کے قریب بھی نہیں آئے گی۔

الحمدللہ آج بھی اہل حدیث کا عمل اسی پر ہے۔ ہر مسئلے کے لئے ہمارے پاس قرآن وحدیث کے دلائل ہیں مگر مقلدین اسے سمجھنے سے قاصر ہیں کیوں؟ اس لئے کہ ان کی نظروں میں حدیث کی عظمت باقی نہیں رہی وہ حدیث کو بھُس، چھلکا، بے مغز کی ہڈی اور پتہ وغیرہ کہنے لگے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

بوحنیفہ کی تقلید میں ہے مزا
کیوں میں پتے چباؤں ثمر چھوڑ کر

موصوف نے تراویح کا مسئلہ چھیڑا ہے لکھتے ہیں:

احادیث میں واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پہلے آٹھ پڑھتے تھے۔ پھر اُسے بیس کردی۔ ص: ۳۰

کاش! یہ حدیث موصوف نے لکھ دی ہوتی۔ مگر بے حوالہ اور بغیر ثبوت کے ان کی ہانکنے کی عادت ہے۔ یہ کیسا دعویٰ ہے جو بغیر دلیل کے ہے۔ دعویٰ دلیل کا متقاضی ہوتا ہے جو یہاں سرے سے مفقود ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصول محدثین کے مطابق کسی بھی صحیح حدیث سے بیس رکعات تراویح کی نماز باجماعت خلفائے راشدین سے ثابت ہی نہیں ہے:

''ھاتوا برھانکم إن کنتم صادقین''۔

اصول محدثین کی کسوٹی پر صحیح حدیث واجب التسلیم ہے

رمضان اور غیر رمضان میں آپ کا معمول گیارہ رکعات مع وتر پڑھنے کا تھا جو بخاری و مسلم کی حدیثوں سے واضح ہے۔ ابوسلمہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان میں رات کی نمازِ کا حال پوچھا تھا جس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تھا۔

''ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا غيره علىٰ أحد عشر ركعة''۔(بخاری)

یہ ہے اہل حدیث کی اصل دلیل اور بنیادی حدیث۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ''کتاب التراویح'' اور ''کتاب التہجد'' دونوں میں ذکر کر کے بتا دیا کہ دونوں نمازیں ایک ہیں۔ قیام رمضان کو تراویح اور قیام اللیل کو تہجد کہا جاتا ہے۔ جب کہ یہ سب نمازیں ایک ہیں۔ رمضان میں قیام رمضان ہے اور غیر رمضان میں قیام اللیل۔ اسے اہل علم مقلدین اور شارحین حدیث تسلیم کرتے ہیں۔

اہل حدیث ہر حدیث کو مانتے ہیں بس شرط اتنی ہے کہ وہ اصول محدثین کی کسوٹی پر صحیح بھی ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی یہی کہا تھا۔

''إذا صح الحديث فهو مذهبي'' (المجموع للنووي ١/٦٣)

یعنی ''جو صحیح حدیث میں ہے وہی میرا مذہب ہے'' اہل حدیث تو اسی اصول پر قائم ہیں۔ حدیث صحیح ہو کسی بھی کتاب کی ہو۔

عبدالمنعم صاحب کا یہ کہنا کہ اہل حدیث حضرات صرف صحیح حدیث اور خاص طور پر بخاری شریف کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اس کے خلاف ہر حدیث کو جھٹک دیتے ہیں۔ ص: ٣٠

یہ اتہام طرازی ہے اور ایسی تحریر وہ بھی عبدالمنعم کی پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ ایسا غیر محتاط اور غیر ذمہ دار شخص اپنی گمراہ کن تحریروں سے امت میں گمراہی کو فروغ دے رہا ہے۔ علماء مقلدین ایک دوسرے کی تردید میں مسائل کی تحقیق میں کتابیں لکھتے ہیں مگر جو کچھ لکھتے ہیں۔ حوالوں سے لکھتے ہیں۔ بھلے اُن کا

طریقہ استدلال کمزور ہو۔ دوسروں سے اپنی بات زبردستی نہیں منواتے، مگر ہمارے خیرخواہ بلکہ خیرخواہ امت کسی اصول وضابطے کے پابند نہیں ہیں اللہ انہیں کم ازکم اپنا خیر خواہ تو بنادے تاکہ دوسروں پر الزام تراشی کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کریں۔

حدیث جابر حسن لغیرہ ہے

جو رکعات تراویح کی تعیین میں ممد ومعاون ہے۔

آخر آخر میں مولانا سید عبدالمنعم نظیر صاحب نے محدثانہ بحث بھی کی ہے۔ کاش موصوف ایک نظر فضائل اعمال پر ڈال لیتے۔ تو واقعی خیر خواہ امت مسلمہ کا حق ادا کر دیتے اور اپنے دعویٰ کو سچ ثابت کردیتے۔ امت کا ایک بڑا طبقہ اُسے قرآن سے زیادہ مقدس مانتا ہے جو ضعیف حدیثوں، قصوں، کہانیوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور کون میں موصوف کے سوا کوئی دوسرا انجام بھی نہیں دے سکتا۔ اللہ انہیں اس مشکل ترین کام کو نبھانے کی توفیق دے۔ (آمین)

موصوف لکھتے ہیں (تراویح کے سلسلے میں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نہ تو بخاری شریف کی روایت ہے اور نہ صحیح ہے۔ ص: ۳۰

مزید لکھتے ہیں اس کے تین راوی ہیں اور تینوں انتہائی کمزور بلکہ محدثین کے لئے نا قابل قبول ہیں۔ محدثین کی رائے دیکھ لیجئے۔ ص: ۳۱

پھر تین راویوں پر محدثین کی جرح نقل فرمائی (۱) ابن حمید رازی (۲) یعقوب بن عبداللہ (۳) عیسیٰ بن جاریہ، ص: ۳۱

پھر یوں تبصرہ فرمایا: جب اس روایت کے تینوں راوی اس قدر کمزور اور محدثین کے نزدیک نا قابلِ قبول ہیں، پھر علماء اہل حدیث کے نزدیک قابل قبول کیسے ہو گئے؟؟؟ ص: ۳۱

عبدالمنعم صاحب نے نہ تو روایت نقل کی ہے نہ سند نقل کی ہے، نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ حسبِ عادت سب کچھ بغیر حوالہ کے لکھا ہے۔

پہلی بات: تو یہ ہے کہ اہل حدیث، حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو معاون دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان کی بنیادی دلیل تو بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔اور اصول محدثین کے مطابق حدیث جابر حسن لغیرہ کے درجے میں آتی ہے۔اسے ضعیف بھی تسلیم کرلیں تو بھی اہل حدیث کے تسلیم کردہ مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسری بات: حدیث جابر رضی اللہ عنہ پر حکم لگانے سے پہلے کاش عبدالمنعم صاحب نے اس کی مزید سندوں کو دیکھ لیا ہوتا۔آیئے حدیث جابر کی سندوں پر بحث ملاحظہ فرمائیں۔پہلی مرتبہ امام مروزی کی نقل کردہ روایت کی سند درج ذیل ہے۔

حدثنا محمد بن حميد الرازي ثنا يعقوب بن عبدالله ثنا عيسى بن جارية عن جابر قال الحديث. قيام الليل،ص:١٥٥

دوسری جگہ امام مروزی کی نقل کردہ حدیث کی سند یو مذکور ہے۔

حدثنا إسحاق أخبرنا أبو الربيع ثنا يعقوب ثناعيسىٰ بن جارية عن جابر قال الحديث. قيام الليل، ص:١٩٦-١٩٧

(صحيح ابن حبان ، ج/١ ، ص: ٣٢٠، قال ابن حبان في حديثه. قال عيسىٰ حدثنا جابر رضى الله عنه)

امام ذہبی نے اس حدیث کی تیسری سند اس طرح بیان کی ہے۔

جعفر بن حميد حدثنا يعقوب القمي عن عيسىٰ بن جار يه عن جابر. الحديث.

(ميزان الإعتدال ترجمه عيسى بن جاريه، ج/٣، ص: ٣١١، ومعجم الصغير للطبراني،مطبوع بيروت، ١٩٨٣ء، ج/١،ص:١٩٠)

ابن خزیمہ نے اس کی چوتھی اور پانچویں سندیں اس طرح بیان کی ہیں۔

نا محمد بن العلاء بن كريب نا مالك بن إسماعيل نايعقوب حدثنا محمد بن عثمان العجلي ثنا عبيدالله بن موسىٰ نا يعقوب القمي عن عيسىٰ بن جار يه عن جابر

. الحدیث: ۱۰۷۰، ج ۲/، ص: ۱۳۸)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث یعقوب قمی سے (۱) محمد بن حمید رازی، (۲) ابوالربیع سلیمان بن داؤد زہرانی، (۳) جعفر بن حمید، (۴) مالک بن اسماعیل اور (۵) عبیداللہ بن موسیٰ۔ یعنی پانچ رواۃ نے نقل کی ہیں۔ جن میں اول الذکر یعنی محمد بن حمید رازی کو چھوڑ کر باقی چاروں حضرات میں سے ہر ایک بلند پایہ ثقہ راوی ہے اور محمد بن حمید رازی مختلف فیہ ہے۔ ان کی چار ثقہ راوی نے متابعت کر رکھی ہے۔

تیسری بات: آیئے دو راویوں کا ترجمہ دیکھیں جن پر عبدالمنعم صاحب نے جرح نقل فرمائی ہے۔

۱- یعقوب قمی -عالم أهل قم- قال النسائی وغیره. لیس به بأس -قلت: خرج له بخاري تعلیقا وروي عنه الهیثم بن خارجة وأبو الربیع الزهراني وجماعة-مات سنة ۱۷۴ھ۔

یعنی موصوف قمی، قم کے عالم ہیں، انہیں نسائی وغیرہ نے ''لا بأس به'' یعنی ثقہ کہا ہے۔ اور امام بخاری نے ان سے تعلیقاً روایت کی ہے۔ انسے پوری ایک جماعت روایت حدیث کرتی ہے۔ یعنی کہ ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ ان کا انتقال ۱۷۴ھ میں ہوا۔ میزان الاعتدال۔

عبدالمنعم صاحب نے دار قطنی کا تجریح والا قول جو نقل کیا ہے۔ وہ یوں ہے ''لیس بالقوي'' یعنی ان کی روایات قوی نہیں ہیں وہ ''لا بأس به'' کی ثقاہت سے کالعدم اور بے وزن قرار پاتی ہے۔

علامہ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' ج ۸/، ص: ۲۹۹ میں یعقوب قمی کو ''الإمام المحدث المفسر'' جیسے بلند القاب وآداب سے توثیق فرمائی۔

امام طبرانی نے ''ثقة'' کہا ہے۔ معجم صغیر للطبراني، ج ۱/، ص: ۱۹۰، تهذیب التهذیب، ج ۱۱/، ص: ۳۴۳، حافظ ابن حجر نے ''صدوق یهم'' قرار دیا ہے، تقریب التهذیب۔

ان حوالوں کی روشنی میں خیر خواہِ امت امت مسلمہ کی خیر خواہی، سازش اور مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔

۲-عیسیٰ بن جاریه انصاري، تابعي مدني -امام خزیمہ، ابن حبان، اور عام ائمہ کرام نے عیسیٰ بن جاریہ کو معتبر وثقہ راوی قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی نے عیسیٰ پر وارد ہونے والے کلمات

تجرتح میں سے ہر کلمہ کو مجمل ومبہم جرح کے خانہ میں رکھا ہے۔

جوتوثیق ثابت کے بالمقابل کالعدم ہے۔ظفر الأمانی وغیرہ۔

ابن معین نے عندہٗ منـاکیر حدیث اور بروایت ابـن أبي خيثمه "ليس بذلک" کہا۔اس طرح ان سے دومتضاد باتیں منقول ہیں۔(تهذيب التهذيب)

اس لئے ان کے جرح کا کچھ وزن نہیں رہ جاتا ہے۔

ابوداؤد نے کیا کہا:قال الأجرى عن أبي داؤد" منكر الحديث"وقال في موضع آخر، مـاأعـرفـه روي مناكير ۔یعنی ابوداؤد نے اپنے ایک قول میں عیسیٰ کو منکر الحدیث کہا ہے اور دوسرے میں کہا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ عیسیٰ نے منکر احادیث روایت کی۔(تهـذيـب التهذيب، ج/٨، ص: ١٨٦) عیسیٰ پر ابوداؤد کی جرح متعارض ہے اور إذا تـعـارضـا تسـاقطا کے اصول سے جرح کالعدم قرار اپایا۔

نسائی سے موصوف کے متعلق منکر الحدیث کی بات منقول ہے(ميزان)

نسائی تجرتح میں ابن معین کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ متشدد تھے۔لہٰذا دوسرے اماموں کے بالمقابل موصوف کی یہ تجرتح زیادہ سے زیادہ عیسیٰ کو صحيح الرواية کے بجائے حسن الرواية کے درجے میں لاسکتی ہے۔مگر چونکہ عیسیٰ کی اس روایت کی متابع متواتر المعنی حدیث ہے اس لئے وہ جۂ اعتماد و پہنچتی ہے۔

حدیث مذکور کی پانچ سندوں میں روایت مذکور کا راوی جابر سے عیسیٰ نامی راوی ہے ان کی روایت کردہ اس حدیث کے حاشیۂ صحیح ابن خزیمہ میں یہ صراحت ہے کہ

إسناده حسن،عيسىٰ بن جاريه " فيه لين" المروزى كتاب الوتر : ١٩٦ من طريق يعقوب.

یعنی اگر یہ معمولی کمزوری" فيـه لـيـن" نہ ہوتی تو عیسیٰ صحيح الحديث کے وصف سے متصف کئے جانے کے مستحق ہوتے۔مولانا عبدالحیٔ فرنگی نے اسے بہت ہی خفیف جرح قرار دیا ہے جوتوثیق ثابت

کے بالمقابل بالکل کالعدم ہے۔(دیکھئے: ظفر الامانی اور الأجوبة الکاملة)

حاصل کلام یہ کہ حدیث جابر اپنی پانچ سندوں اور راویوں کی توثیق اور جرح مبہم کے درمیان قابلِ اعتبار اور لائق حجت حدیث ہے۔ یہ حسن لغیرہ کے درجے میں آتی ہے۔اور یہ حدیث اہل حدیث کے بنیادی دلائل میں نہیں ہے بلکہ معاون حدیث کے طور پر ہے اگر یہ ضعیف بھی ثابت ہو جائے تو بھی ہمارے لئے بخاری ومسلم وغیرہ کی حدثیں اس مسئلے میں کافی ہیں۔

سبیل المؤمنین کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً﴾ (النساء:۱۱۵)

جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے۔ ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور اُسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے۔

حجۃ الوداع کا موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ "یا أیھا الناس إني قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا، کتاب الله وسنة نبیه ﷺ. (مستدرک حاکم، ج/۱، ص:۹۳، سنن کبریٰ للبیهقي، ج/۱، ص:۱۱۴ واللفظ له)

اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان جو کتاب اللہ (قرآن مجید) اور اس کے نبی ﷺ کا طریقہ (حدیث شریف) چھوڑا ہے۔ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہر گز کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے۔

نبی ﷺ نے اپنی امت کے لئے جو واضح شاہراہ چھوڑی ہے اور جس پر صحابہ کرام کی جماعت چل رہی تھی اس کی نشاندہی مذکور آیت نمبر ۱۱۵ اور حدیث ابن عباس میں صراحت کر دی گئی ہے۔ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکموں سے سرتابی موجبِ ہلاکت اور دخول جہنم کا ایک سبب

ہے اسی طرح صحابہ کرام کی جماعت کا تعامل، ان کا اسوہ اور ان کی روش چھوڑ کر کسی اور کے طریقے کی پیروی کی اور نئی یا پرانی جماعت کے نقشِ قدم کی تلاش بھی انسان کو وہیں پہنچا دیتی ہے۔ جہاں وہ جانا چاہتا ہے، پھر صحابہ کی جماعت سے اُس کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یہ ہلاکت اور دخول جہنم کا دوسرا سبب ہے۔

اہل حدیث کے سوا کوئی دوسری جماعت ایسی نہیں ہے جس کا تعلق حدیث نبوی اور صحابہ کرام سے جڑا ہوا ہو۔ صحابہ جس طرح قرآن وحدیث کے متلاشی تھے ویسے ہی آج بھی اہل حدیث قرآن وحدیث کو پڑھتے، ڈھونڈتے اور عمل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں سیکڑوں علماء ومجتہدین سے کسی ایک شخصیت کا دامن اہل حدیث نہیں تھاما وہ شخصیت کے بجائے دلائل کے پیرو ہیں۔ یہی طریقہ تھا صحابہ کا۔ وہ مقدس ترین جماعت اس اصول پر قائم تھی قرآن وحدیث کو انہوں نے ہمیشہ حرز جاں رکھا۔ اس کے بالمقابل جب کسی کی بات آئی تو اسے ٹھکرا دیا۔ یہ نہیں دیکھا بات کس کی ہے۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حج تمتع کی ممانعت کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو پیش کیا گیا۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ"۔

کیا میرے باپ (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) کا قول مانا جائے گا یا نبی ﷺ کا فرمان مانا جائے گا۔ (ترمذی:۸۲۴) کیا اس سے یہ حقیقت آشکارا نہیں ہے کہ "ما أنا عليه وأصحابي" کی جو روش تھی اس پر موجودہ دور میں جماعت اہل حدیث کے سوا کسی بھی جماعت کا عمل نہیں ہے کیونکہ تمام جماعتوں نے کسی نہ کسی شخصیت کو حرفِ آخر قرار دے رکھا ہے۔ جو اسے شاہراہ "ما أنا عليه وأصحابي" کے بجائے نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا...... جیسی پگڈنڈیوں پر چلنے پر مجبور کرتا ہے۔

بھروسہ تو کرتے ہیں مگر تقلید نہیں

آخری صفحہ پر عبدالمنعم صاحب نے لکھا۔

(نوٹ) سلفی حضرات کے لئے خصوصی اطلاع۔ آپ شیخ ناصر الدین البانی کی تحقیقات پر بھروسہ

کرتے ہیں مگر البانی صاحب نے اپنے خیالات سے رجوع کرلیا ہے۔ص:۳۲

پھر موصوف نے تین کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ خیر خواہ امت مسلمہ نے اہل حدیثوں سے اپنی خیر خواہی جتائی ہے اور متنبہ کردیا ہے کہ آپ لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہو اور انہوں نے شاید کبھی علامہ البانی کی کوئی کتاب پڑھی نہیں ہے اگر انہوں نے کتابیں پڑھی ہوتیں تو یہ اطلاع اہل حدیثوں کو نہ دیتے۔ کیونکہ انہوں نے جگہ جگہ اپنی تحقیقات میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ پہلے میری رائے تھی۔ اور فلاں کتاب ملنے یا دیکھنے کے بعد اب میری رائے یہ ہے۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہیں، سلفِ صالحین کا یہی طریقہ تھا۔ اگر انہیں اپنی تحریر کردہ یا بیان کردہ باتوں میں کچھ کمزور پہلو نظر آتا یا اس کے بالمقابل دلائل اس کے برعکس ملتے تو بغیر لومۃ لائم کے وہ اپنی باتوں سے رجوع کرلیتے تھے۔

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گریں گے جو گھٹنوں کے بل چلیں

اللہ تعالیٰ نے سلفِ صالحین کو دو خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان میں صلاحیت و صالحیت دونوں چیزیں موجود تھیں۔

الحمد للہ شیخ البانی رحمۃ اللہ میں دونوں چیزیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اسی لئے انہوں نے اپنی کوتاہیوں کا برملا اعتراف کیا ہے جو اُن کی کتابوں میں منتشر ہے۔ جمع و ترتیب کا کام ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے کیا ہے۔ وہ کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ آپ نے شاید کہیں سے اس کا نام سن لیا ہوگا اس لئے ''دارالمعارف'' ریاض کا نام لکھا ہے جب کہ کتابیں مکتبۃ المعارف ریاض سے چھپی ہیں۔

اس خصوصی اطلاع پر ہم عبدالمنعم صاحب کے ضرور شکر گزار ہوتے۔ اگر انہوں نے واقعی خیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہوکر اطلاع دی ہوتی۔ یہاں بھی موصوف نے حسبِ عادت بے پر کی اڑائی ہے مگر البانی صاحب نے اپنے خیالات سے رجوع کرلیا ہے۔ص:۳۲

جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی علامہ کی تحریروں میں کوتاہیاں ان سے

ہوئی تھیں انہوں نے اپنی دوسری تصنیفات میں اُسے واضح کردیا ہے خیالات سے رجوع کی سرے سے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تحقیق ودراسہ آپ کا موضوع تھا۔ جس میں پوری زندگی انہوں نے صَرف کر دی۔ اصول محدثین کے مطابق انہوں نے احادیث صحیحہ پر مشتمل کتاب ''سلسلة الأحاديث الصحيحة '' کے نام سے کئی ضخیم جلدوں میں اور ضعیف وموضوع حدیثوں پر مشتمل کتاب ''سلسلة الأحاديث الضعيفة'' کوبھی کئی ضخیم جلدوں میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ تیار کیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابوں پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ہم اُن کے علمی اور تحقیقی کاموں کو سراہتے ہیں۔ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ اُن کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایک انسان تھے جو معصوم نہیں تھے۔ اس لئے اُن کی تقلید بالکل نہیں کرتے۔ اُن سے کسی مسئلے میں سہو ونسیان ہوا یا استنباطِ مسائل میں کوئی چوک ہوئی۔ تو انہوں نے خود اعتراف کرلیا یا اہل علم نے اُسے واضح کردیا تو ایسے مسائل میں بھی ہم انہیں بلکہ تمام مجتہدین کو ماٗجور سمجھتے ہیں۔

عبدالمنعم صاحب نے جس استہزائی انداز میں ہم اہل حدیثوں کو خصوصی اطلاع دی ہے، ہم ایسی سطحی حرکتوں کی مذمت کرتے ہیں اور اللہ رب العزت سے ان کی ہدایت اور قبول حق کے لئے دعا کرتے ہیں

والسلام علی من اتبع الھدی

خیر اندیش

ابوالاخلاق اثری

۳ رستمبر ۲۰۱۳ء

بروز منگل، شام ۶ بجے